

تیرہ چھوٹ لیار جنی

ہم اعماں

کس طرح گزری جدائی اور سفر کیا لگا
اتی برت بعد آئے ہو تو گھر کیا لگا
خواہشوں کا اور جذبوں کا اثر کیا تھا
جس بتاؤ خود کو تنہا جان کر کیا لگا

اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے لگتا تھا نس آنام کرنے لیتی تھی۔

ایمی رک جائے گی۔ دل تھا کہ ابھی پہلے صائز کیا ہے۔ ”ناہا جان تمہیں اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ آجائے گا۔ کیا زندگی اب اسی بوجھ کے ساتھ کم لڑی۔ وہاں بیزی بھائی بھی موجود ہیں۔“ جہانزیب کے ذکر پر پڑے گی۔ اس کے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ سر کی آنکھیں جگ گئے لگتیں۔ اتابیہ نے ”چپی سے اس کا شریک سفر جس کے ساتھ چند گھنٹوں پہلے اس نے دیوبھی سال بڑی بہن کو دیکھا اور دوپھر درست کر کے بالوں کو سمیٹ کر جیکر کر کرے سے باہر آئی۔ لیکاب و قبول کیا تھا۔ وہ شخص اسے اپنے راز میں شریک کر گیا تھا۔ اپنی حقیقت، اسے اخورے وجود کا سازار دیو، سارا بوجھاں کے کندھوں پر ڈال گیا تھا وہ موجود رہی تھی کہ اس داخل ہو کر سلام لیا۔ ناہا جان اپنی چیزیں پر دل راست تھے۔ نے تو بھی کسی کا دل تک نہیں دکھایا تھا۔ اپنی ہمت سے بڑھ کر سب کا خیال رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ممکنہ تھیں میں ایک فائل تھی جس میں وہ غرض تھا۔ بھائی سے بہت چھان پچک کر نہ کے لیے داماد منتخب کیا تھا۔ تو پھر یہ سب کیا تھا جو اس کے کوئے دل نے سہا تھا۔ اس بلایا ہے کہ کل صبح تم جہانزیب کے ساتھ ایڈیشن کے لیے کے کوئے جذبات خالی سلیٹ جیسا دل جس پر وہ اپنے چلی جاتا۔ رحمت عباسی نے اسے ہدایت دی۔ ”جی ٹھیک ہے ناہا جان۔“ اس نے اثبات میں سر ہلا کا ملک حصنا چاہتی تھی۔ ”مم..... میں کہاں جاؤں؟“ اس کا دماغ ماؤف اور پھر جہانزیب کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”لیکھی بھائی کب چلتا ہے؟“ ہو رہا تھا۔

”نات کو میں گاؤں کے لیے نکلوں گا لیکن صبح تک

”اتابیہ اٹھو، ناہا جان بلا رہے ہیں۔“ زونیرہ نے اس واپس آ جاؤں گا۔ تم دس بجے تک تیار رہنا۔“ اس نے فائل کے جو دسے چار تھیں تو ناچاراں سے اٹھنا پڑا۔ دوپھر میں وہ سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تاتا جان ڈزر کے بعد واک کے لیے چلیں گے؟"
اس نے چمکتی ہوئی نظروں سے تاتا کو دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے پر ابھی تم جاؤ، میں جہازیب سے ضروری بات کر رہا ہوں۔" رحمت علی عباس نے کہا تو وہ ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ دوبارہ نیندا نے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ پچھلے لام میں آگئی جہاں جہازیب نے مختلف ملکوں کے چند پرند پال رکھے تھے۔ کویا چھوٹا سا "چڑیا گھر" بتا ہوا تھا۔ نوال وہاں سلیے موجود تھی اور چوبی خٹ پر ٹھیک اپنافرکس کا شیست یاد کر رہی تھی۔

"تم اکینڈی ہیں، لگیر؟" اناہی نے اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جانا تو تھا مرماشا پنگ کے لیے حلی گئیں۔ گھر میں دوسری گاڑی نہیں تھی۔ میں نے سوچا آج گھر پر ہی پڑھ لوں۔" نوال نے بتایا۔

"تم جیزی بھائی کے ساتھ چلی جاتیں ان کی گاڑی بھی تو ہے۔" اناہی بولی۔

SINCE 2002

"تم تالی ای کو جانتی ہوئی انہیں لگتا ہے کہ اس گھر کی لڑکیاں بلا نہیں ہیں جو ان کے اکلوتے میٹے کو چھٹ جائیں گی۔ تمہارا اور زوں کا معاملہ الگ ہے تم لوگوں کو تاتا جان کی پسروں، محل ہے اور وادا کی عدالت میں تو تایا جان کی بھی نہیں چلتی۔" نوال نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"بڑی باری جانے کیوں ایسا سوچتی ہیں۔" اناہی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ اپنی جگہ ٹھیک ہی ہیں۔ ان سے یعنی میری ماما افراح پھوپھو سے کہا جائے کہ جہازیب کو داماد بنالیں تو وہ دونوں خواتین بے خوشی رانی ہو جائیں گی۔" نوال نے اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی تو اسے زوں کی چمکتی آنکھیں یاد آئیں (تو کیا زوں کو جیزی بھائی سے محبت ہے)

"نوال شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔" اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم جیزی بھائی کے ساتھ چلی جاتیں ان کی گاڑی کھلش بنائے ہیں۔" رائل نے کچن کے پچھلے



دروازے سے آواز لگائی۔ دونوں نے گردن موڑ کر رانیل کو اراہ کیا۔ افراح کے لیے آنے والے ایک رشتے کے لیے بھی سمجھیدہ ہو گئے تھے۔

افراح نے ایف ایسی کے پرچے دیے تھے، وہ اپنی تعلیم جاری کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ساتھ خوب واویا کیا، زندگی میں پہلی بار رحمت علی نے کوئی توجہ نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں سے بھی لاڈی بہن کا روتا دیکھانہ گیا، انہوں نے اپا جان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن رحمت علی نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ زمان احمد جیسے رشتے روز رو زینیں ملا کرتے۔ زمان کے والد سے رحمت علی کی اسکول کے زمانے سے دوستی تھی۔

محمد احمد ایک کثیرالاشاعت اخبار کے مالک تھے جبکہ زمان احمد حال ہی میں انگلینڈ سے ایم بی اے کی ڈگری لے کر لوٹا تھا۔ محمد احمد کی خواہش تھی کہ اس رشتے سے دونوں دوستوں کی دوستی مزید مضبوط ہو جائے گی۔ زمان کو پسند مسلط کی تھی اور اب تک شرمسار تھے رحمت علی عباسی کے تین بچے تھے۔ عظمت علی عباسی، عشرت علی عباسی اور سمجھائی کے ساتھی ہوتا تھا۔

افراح، زمان احمد کے سنگ رخصت ہوئی اور عشرت علی اپنی یامیوں زادتاکلہ کو بیاہ لائے۔ شاکلہ ایک کم گوار بھی ہوئی لڑکی تھی۔ اس نے جلد ہی شوہر اور سرکار کا دل جیت لیا تھا۔ دوسری جانب افراح بھی اچھی بیوی اور بہو بننے کے عمل۔ یہ از رہی تھی۔ زمان احمد بھی ایک اچھے شوہر بنا بت ہو۔ ہے تھے، وہ افراح کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ وقت اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔ شاکلہ کو قدرت نے اولاد فریضہ سے نواز لیا تھا۔ افراح کی شادی کے وقت جہانزیب چار سال کا تھا۔ عشرت علی کی زندگی میں نوال اور رانیل نے رنگ بھردیے تھے جبکہ افراح، زونیزہ کے بعد دوسرے بچے کی آمد کی منتظر تھیں کہ اچاک ان کی زندگی میں بھونچاں آ گیا تھا۔ ہفتہ وار تعطیل تھی، وہ سب ناشتا کرنے میں مصروف تھے کہ زمان کی بیوی جینی آگئی۔ اس سے زمان نے انگلینڈ میں شادی کی تھی اور اس سے اس کا ہرداشت نہیں ہوتی تھی۔ بہت جلد رحمت علی پر حقیقت آشکار ہوئی تھی۔ انہوں نے جیسے ہی عشرت علی کی شادی کا

دورازے سے آواز لگائی۔ دونوں نے گردن موڑ کر رانیل کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ گرجویشن کی بعد وہ گھرداری میں مہارت حاصل کر رہی تھی۔ کھانا تو زونیزہ بھی اچھا پکاتی تھی مگر وہ پکن میں کم ہی جاتی تھی۔ اس کی دیگر مصروفیات ہی بہت تھیں۔

"میرے لیے ادھر ہی بجھوادو۔" نوال نے بڑی بہن سے کہا جبکہ اتنا بیہق اخدر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جہاں سب گھر والے موجود تھے۔ سوائے افراح کے وہ اب تک نہیں لوئی تھیں۔ یہ ان کا معمول تھا۔ صبح وہ ایک پرائیویٹ ادارے میں پڑھانے جاتی تھیں گرجویشن کے اسٹوڈنٹس کو اور وہاں سے فارغ ہو کر وہ ایک اکیڈمی میں بھی پڑھاتی تھیں۔ یہ سب ضروری نہیں تھا مگر افراح کو مصروف رہنے کی عادت تھی۔

رحمت علی عباسی نے زندگی میں ایک بار افراح پر اپنی پسند مسلط کی تھی اور اب تک شرمسار تھے رحمت علی عباسی اور این کی آنکھوں کا نور افراح جو کہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھی۔ افراح کی عمر چودہ سال تھی جب اس کی والدہ نیسم بیگمبل کا دورہ پڑنے سے اس جہاں سے کوچ کر گئی تھیں۔ دونوں رشتے داروں نے دوسری شادی کا مشورہ دیا جسے رحمت علی نے مسٹر کرڈ پا اور اپنی بہن رقیہ جہاں کو جو کہ بیوہ اور نے اولاد بھی تھیں۔ انہیں بلوالمیا تاکہ وہ گھر پیاوامور کی نگرانی کرنے کے علاوہ پکوں کا خیال بھی رکھ لکھیں۔ بچے رقیہ جہاں کو بوا باتے تھے۔ عظمت علی کے تعلیم سے فارغ ہو کر خاندانی بنس سنبھالنے پر انہوں نے رقیہ جہاں کے مشودے پر گل کرتے ہوئے ان کی شادی اپنے ایک عزیز کی صاحبزادوی سے کر دی تھی۔

شاکلہ ایک تعلیم پاونٹ اور خوب صورت لڑکی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہیں معلوم ہوا کہ اس کا ظرف بہت چھوٹا تھا۔ سرال میں افراح کی امتیازی حیثیت اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ بہت جلد رحمت علی پر حقیقت آشکار ہوئی تھی۔ انہوں نے جیسے ہی عشرت علی کی شادی کا

جیسی اب زمان کے انتظار سے آتا کر اسے ساتھ لے پسندانہ روپیے کا بدلا بعض اوقات وہ جہانزیب سے لے لیتی تھی۔ حالانکہ وہ قصور ہوتا تھا آج بھی یہی ہوا تھا۔ معمولی گیا بات تھی۔ اتنا کوئی دوست کی بر تھوڑے پارٹی میں جانا تھا۔ افرای چونکہ کسی سینما میں شرکت کرنے لیتی تھی۔ اس کی آمد سے افراح کی زندگی ہنس نہیں ہو کر رہ گئی تھی۔

افراح نے زمان سے جھگڑا کیا اور زوفی کو لیکر رحمت علی کے گھر آگئی تھی۔ زمان نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی پر وہ نہ رکی۔ رحمت علی نے دوست سے باز پرس کی۔ محمد احمد بے حد شرمند تھے۔ انہوں نے زمان پر زور دیا کہ وہ جیسی کو طلاق دے دے۔ پرابراہیم کا چہرہ دیکھنے کے بعد نہ تو وہ جیسی کو طلاق دینا چاہتے تھے نہ افراح کو خود سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ جیسی کو زمان کی دوسرا شادی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا پر وہ زمان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے افراح کے اصرار پر رحمت علی نے خلخ کا مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ خلخ کے بعد زمان احمد جیسی اور بیٹے کے ساتھ انگینڈ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے زمان نے چاہا کہ زونیرہ کو ساتھ لے جائے مگر افراح نے اسے زوفی کا چہرہ تک دیکھتے نہ دیا۔ زمان کے انگینڈ جانے کے دو ماہ بعد انابیہ نے دنیا میں آنکھ کھوئی تھی۔ انابر کی پیدائش کا سنتے ہی زمان کی والدہ دامن پھیلائے آئیں کہ افراح ایک بچی انہیں دے دے مگر افراح نے انہیں مایوس لوٹا دیا تھا۔ اسے بچیوں سے بہت محبت بھی مگر بعض اوقات وہ ان سے زمان کی بیٹیاں ہونے کا بدل لینے لگتی تھی۔ خاص طور پر انابیہ سے جس کی آنکھیں زمان کی طرح سنہری تھیں۔

”نانا جان..... میں نے تو ان کا کام کرنے کی کوشش کی تھی۔“ اس نے احتجاج کیا۔

”جہانزیب کے ذاتی کاموں کے لیے گھر میں ملازمہ موجود ہے۔ اس کے کپڑے پر لیں کرنا تمہاری ذمہ داری نہیں، تم نے یہ کام اس کو تک کرنے کے لیے کیا تھا ہاں حالانکہ تم جانتی ہو وہ افرای اور تم دونوں بہنوں کا کتنا خیال رکھتا ہے۔“ جسمیں کانج سے کپ اینڈ ڈرپ کی ذمہ داری بھی اس نے اختیار کی تھی۔ ”رحمت علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”پھر اور کیا کرتی، بڑی ماں سے تو بد تیزی کرنے سے رہی۔“ اس نے دھیسی آواز میں کہا۔

”جہانزیب نے بد تیزی کرنے سے بھی گریز کیا کرو۔ جس طرح تم مجھے پیازی ہو وہ بھی میرا لاذلا ہے۔ میرا لذلا پوتا ہے وہ۔“ انہوں نے انا کو تک کرنے کی غرض سے کہا اور اس نے عادتاً منہ پھلا لیا مگر رحمت علی نے ذرا پروانہ کی۔

”جہانزیب سے سوری کر لینا۔“ رحمت علی نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تم نے جہانزیب سے مس لی ہیو کیا ہے انا، تمہیں سوری کرنا چاہیے۔“ نانا نے سمجھایا۔ شماں میں کے خود

چانے کے لیے آئی تھی۔ اس کی آمد سے افراح کی زندگی ہنس نہیں ہو کر رہ گئی تھی۔

عماں کے گھر آگئی تھی۔ زمان نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی پر وہ نہ رکی۔ رحمت علی نے دوست سے باز پرس کی۔ محمد احمد بے حد شرمند تھے۔ انہوں نے زمان پر زور دیا کہ وہ جیسی کو طلاق دے دے۔ پرابراہیم کا چہرہ دیکھنے کے بعد نہ تو وہ جیسی کو طلاق دینا چاہتے تھے نہ افراح کو خود سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ جیسی کو زمان کی دوسرا شادی سے کوئی مسئلہ نہیں تھا پر وہ زمان کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے افراح کے اصرار پر رحمت علی نے خلخ کا مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ خلخ کے بعد زمان احمد جیسی اور بیٹے کے ساتھ انگینڈ چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے زمان نے چاہا کہ زونیرہ کو ساتھ لے جائے مگر

افراح نے اسے زوفی کا چہرہ تک دیکھتے نہ دیا۔ زمان کے انگینڈ جانے کے دو ماہ بعد انابیہ نے دنیا میں آنکھ کھوئی تھی۔ انابر کی پیدائش کا سنتے ہی زمان کی والدہ دامن پھیلائے آئیں کہ افراح ایک بچی انہیں دے دے مگر افراح نے انہیں مایوس لوٹا دیا تھا۔ اسے بچیوں سے بہت محبت بھی مگر بعض اوقات وہ ان سے زمان کی بیٹیاں ہونے کا بدل لینے لگتی تھی۔ خاص طور پر انابیہ سے جس کی آنکھیں زمان کی طرح سنہری تھیں۔

”نانا جان، آج مما کا ماؤڈ بہت ڈاف ہے۔“ انابیہ نے رحمت علی سے شکایت کی۔

”وہ بھی کیا کرے جب تم اس کی توقعات پر پوری نہیں اتروگی تو اس کا ماؤڈ تو خراب ہو گا ہی۔“ رحمت علی لاٹھی لیکتے ہوئے بولے۔ آج وہ دونوں نانا، نواسی واک کے لیے آئے تھے۔

”میں نے کیا، کیا؟“ اس نے انجان بن کر پوچھا۔

”تم نے جہانزیب سے مس لی ہیو کیا ہے انا، تمہیں آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

آگیا تھا۔ رحمت علی نے خاموشی اختیار کر لی۔

”مما آگئی ہیں کیا؟“ اتنا نے زونی سے پوچھا جو چھوٹے ماموں کے لیے کافی بنا رہی تھی۔

”نہیں آدھے گھنٹے پہلے میں نے کال کی تھی، ماما بتا رہی تھیں کہ ہائی وے پرٹریفک جام کی وجہ سے انہیں دیر ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا ہے ہم دونوں کو ان کے لھٹکار میں جان گئے کی ضرورت نہیں۔“ زونی نے تفصیل سے بتایا۔

”تمہارا موڑ کیوں آف ہے؟“ زونی نے اس کا بھاہ ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

زونی سمجھ گئی کہ نانا جان نے اس کی کلاں لی ہے اس وجہ سے محترمہ کامزانج اکھڑا کھڑا الگ رہا ہے۔

اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے جہانزیب کے

کمرے کے دروازے پر اس کے قدم سست ہوئے۔ اس

نے دروازہ ناک کیا اور اندر سے ”لیں“ کی صدائیتے پر ہیں۔

اُس نے دروازہ پورا گھول کر اندر جھانکا۔ جہانزیب صوت پر ناٹھیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ لیپ ناپ گھنسوں پر رکھا تھا

اور وہ گردانی موڑ کر دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں اُبا بیہا ایتادہ گئی۔

”سوری۔“ اس نے شرمندانہ میں کہا اور دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گئی جبکہ جیزی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ٹور کیسا رہا افراد؟“ عظمت علی نے بہن سے پوچھا۔

”بھائی اس دفعہ میں بہت بودھوئی۔ کبھی کبھی انسان

زیادہ بڑھے لکھے لوگوں کے درمیان بیٹھ کر خود کو بہت تھا

محسوں کرنے لگتا ہے پھر اس دفعہ مجھے زونی اور انا کی بھی بہت یاد آئی۔“ ماں کی بات پر آمیٹ لاتی زونی مسکراوی۔

”ساتھ ہی لے جاتیں ان دونوں کی بھی تفریخ ہو افراد کا پیغام لاتی۔“

”انا بی آپ کی ماما آپ کو اپنے کمرے میں بلارہی جاتی۔“ شامنہ نے طنزیہ کہا۔

افراد جب زمان کا گھر چھوڑ کر رحمت کدے میں ہیں۔“ اُبا بیہا کری ہمسکا کر کھڑی ہو گئی۔ جہانزیب اب بھی

واپس آئی گئی۔ تب رحمت علی نے بڑے بیٹے عظمت علی پر چین میں ہی تھا۔ وہ بے دلی سے سیڑھیاں طے کرتی ہوئی

زور دیا تھا کہ وہ اپنی قیمتی کے ساتھ الگ گھر میں شفت ہو جائیں؛ کہ افراد کی وجہ سے ان کی بیگم کو کسی مسئلے کا سامناتا کرنا پڑے لیکن عظمت علی اس بات کے لیے راضی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے انہوں نے انکار کر دیا وہ اپنے والد اور بہن بھائی سے دوڑنے کی وجہ سے ہونا چاہتے تھے۔ شامنہ نے اپنی تیس انہیں سمجھانے کی پوری کوشش کی پر وہ نہ مانے تھے۔

”ہاں بھائی، میں بھی یہی سوچ رہی تھی نیکست منٹھ میری کو لیگ کے بھائی کی شادی ہے۔ حیدر آباد میں وہاں نے جاؤں گی ان دونوں کو۔“ اس نے مسکرا کر بھائی کو جواب دیا۔
”کیا ابا جان ناشتہ کر چکے ہیں؟“ عظمت علی نے بیوی سے پوچھا۔

”بھی ہاں وہ تو نجھر کی نماز کے بعد ہی ناشتہ کر لیتے ہیں۔“

”انا بیہا کہاں ہے، اسے کان لج نہیں جانا؟“ افراد نے زونی سے پوچھا۔

”مما..... آج وہ بچھٹی کرے گی، ہم دونوں آپ کے ساتھ وقتوں، گزارنا چاہتے ہیں۔“ زونی نے اس کے میں باہمیں ڈالیں تو دونوں بھائی مسکرا دیے۔ خیزی خاموشی سے ناشتے میں مصروف تھا۔ اُبا بیہا جب ناشتے کے لیے آئی تو سب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ ڈائننگ روم خالی تھا۔ البتہ پھر سے جہانزیب کی سرفراز اور باہر تک آ رہی تھی۔

”میں میلے بھی تمہیں کہہ جکی ہوں کہ اپنی حد میں رہو، یہاں تمہیں چونچ نہیں ملے والا۔“ اتنا نے پھر میں چھانکا۔ جیزی کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جانتا چاہتی تھی کہ جہانزیب کا مخاطب کون ہے پر اسی وقت رعناء اس کے لیے افراد کا پیغام لاتا۔

”انا بی آپ کی ماما آپ کو اپنے کمرے میں بلارہی کہا۔“ اُبا بیہا کری ہمسکا کر کھڑی ہو گئی۔ جہانزیب اب بھی واپس آئی گئی۔ تب رحمت علی نے بڑے بیٹے عظمت علی پر چین میں ہی تھا۔ وہ بے دلی سے سیڑھیاں طے کرتی ہوئی

چہلی منزل پر موجود افراح کے کمرے میں آگئی۔ دل پر شانگ کرائی تھی۔ اپنے لیے بھی دوست خریدے تھے لخ کے لیے وہ لوگ نزدیکی ریسٹورنٹ پہنچے جہاں چہانزیب پہلے ہی موجود تھا۔ افراح نے اسے بلوایا تھا۔ سینچج کے لیے بھی اس نے شرٹ اور پر فیوم خریدا تھا۔ ”آدھے گھنٹے سے آپ کا ویٹ کر رہا ہوں۔“ وہ سخت سہلائے۔

بورلگر رہا تھا۔

”ویسے یہ سب کس خوشی میں ہے؟“ اس نے کریدا جا ہا تو وہ سب تھیں تو والی انداز میں افراح کو دیکھنے لگیں۔ کیا واقعی کوئی خاص وجہ تھی۔

”کھانا آرڈر کرو۔ گھر چل کر سب معلوم ہو جائے گا۔“

افراح نے پر اسرا انداز اختیار کیا۔ وہ چاروں بہت تحک چکی تھیں اس لیے زیادہ بھس کا اظہار نہ کیا۔ شام تک ملی تھیں سے باہر آ گئی تھی۔ دو خوش خبریاں تھیں۔ افراح اور نانا جان عمرہ کی سعادت حاصل کرنے خار ہے تھے۔ افراح جس کا ج میں پڑھاتی تھیں وہاں کی پرپل نے اپنے بیٹے کے لیے زونیرہ کا رشتہ مانگا تھا۔ زوئی نے ناتو اسی کی ”چھوپو، سر میں درد ہے۔“ اس نے پیشانی مسلسل تغیرت میں درد ہے۔ زوئی اور نوال اسی کا ج میں زیر تعلیم تھیں۔ افراح لڑکے کے پارے میں والد اور بھائیوں کو بتا ہوئے کہا۔

”زوئی، ہم اسے پاپا کے پاس کیوں نہیں رہتے۔“ انا ری تھیں، عزز النگینہ سے ڈگری لے کر رہا تھا۔

”پھر کیا سوچا تم نے؟“ شماں لہی حابی نے پوچھا۔

”انا..... کیا ہو جاتا ہے تھیں، مہماں اگر تمہاری پاتنے تو پھر ہمارے عمرہ پر جانے سے پہلے منی کی رسم رکھ لیں گے تو ہم سے ملتا تھا۔“ زوئی نے اپنی سرخ آنکھوں سے ابا بیکو کو دیکھا۔ ابا بیکو زوئی کے کمرے میں آئی یہ دیکھا سے جھٹکا لگا وہ روہی تھی۔

”کیا ہوا، کیوں روہی ہو؟“ اس نے زوئی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”انا..... پلیز مہماں کو سمجھاؤ میں وہاں شادی نہیں کروں گی۔“ اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

”تو پھر کس سے شادی کروگی؟“ اس نے سرگوشی میں ریڈی ہو جاؤ۔“ زوئی نے اسے بھکایا مہماں کی گاڑی میں وہ پوچھا۔

”میں..... مم..... میں جہانزیب سے محبت کرتی لوگ مال آئے تھیں۔ مہماں ان چاروں کو ان کی پسند کی۔“

چہلی منزل پر موجود افراح کے کمرے میں آگئی۔ دل پر شانگ کرائی تھی۔ اسے بھکایا مہماں کی گاڑی میں وہ جانے کیوں بوجھ سا آگرا تھا۔

”مہماں آپ نے بلایا؟“

”ناشہ کیا تم نے؟“ افراح نے اس کے بال سہلائے۔

”دل نہیں چاہ رہا۔“ اس نے منہ بسوار۔

”چلو انہو شباباں آج میں اپنی بیٹی کو ناشہ بنا کر دیتی ہوں۔ اس کے بعد ہم شانگ پر جیسے گے پھر وہاں سے ہم لخ پر جیسے گے۔“ افراح نے پورا پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔

”رabi تم اور نوال بھی تیار ہو جاؤ۔ ہم شانگ پر چل رہے ہیں اور لخ بھی باہر کرس گے۔“ افراح نے انا کے لیے ناشہ میز پر لگاتے ہوئے کہا۔

”بھی پھوپو۔“ راتنل اکتا ہے ہونے لجھ میں بولی۔

”طبعت تو تھیک ہے بیٹا تمہاری لڑکی۔“ افراح نے راتنل سے پوچھا۔

”چھوپو، سر میں درد ہے۔“ اس نے پیشانی مسلسل تھیں۔ زوئی اور نوال اسی کا ج میں زیر تعلیم ہوئے کہا۔

”زوئی کیا ہوا، روئی رہی ہو کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”میں کیوں روؤں گی، فلوہ گیا ہے۔“ اس کی آواز بھی

بھاری ہو رہی تھی۔

”تمہیں کیا ہوا، روئی رہی ہو کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”میں کیوں روؤں گی، فلوہ گیا ہے۔“ اس کی آواز بھی

بھاری ہو رہی تھی۔

”تمہیں فلوہ ہے، راتنل کے سر میں درد ہے، مہماں کے

ساتھ جانے کا پروگرام تو چوپٹ ہوتا لگتا ہے۔“

”آدھے گھنٹے میں نکل رہے ہیں۔ تم جاؤ فنا فٹ

ریڈی ہو جاؤ۔“ زوئی نے اسے بھکایا مہماں کی گاڑی میں وہ پوچھا۔

”میں..... مم..... میں جہانزیب سے محبت کرتی

ہوں۔ میں ان کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کر سکتی۔ اس مان رہی۔ اتنا بیرون ہانی ہوئی۔

نے پچھا کر کہا۔

”کیا کہتی ہے وہ؟“

”وہ کہتی ہے کہ وہ جیزی سے محبت کرتی ہے اور ان سے تین شادی کرے گی۔“

”اور یہ نہیں ملتا، جہانزیب کی ماں ایسا ہونے نہیں دے گی اور میں اپنی بیٹی کی تذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ میں خود اس سے بات کروں گی۔“

”کیا وہ ماں جائے گی؟“ اتنا بیٹے آس سے پوچھا۔

”اسے مانتا ہی ہوگا۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں کل دیکھتے ہیں۔“ افراد نے کہا تو وہ ان کے کمرے سے باہر آ گئی۔ دوسرے دن افراد نے اسے جانے کن الفاظ میں سمجھایا کہ وہ متنقی کے لیے راضی ہو گئی۔ رابی اسے عزیز کا نام لے کر جیزیرتی پروہ خاموش ہی رہتی۔

اتابیہ کو اندر ہی اندر بہن کا دکھ کھارہتا تھا۔ اسے جہانزیب پر بھی غصہ تھا اور پھر وہ دل ہی دل میں جیزی کو بدعا دیتے لگتی۔

”کاش جہانزیب کو جس لڑکی سے محبت ہو وہ کسی اور کی ہو جائے اور جہانزیب بھی ایسے ہی تریں جیسے میری بہن تریں رہی ہے۔“

اتوار کو زونیرہ کے سرال والے رسم کرنے آئے تھے۔ اس کی ساس نے اسے انکو بھی پہنائی اور مٹھائی کھلا کر منہ بیٹھا کرایا۔ زونی ضبط کے بیٹھے رہی۔ غیر متوقع طور پر نانا جان نے شادی کی تاریخ بھی طے کر دی تھی۔ درمیان میں صرف ذریثہ مہینہ ہی تھا۔ بجانے باپ، بیٹی کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی۔

عزیز ایک سلچھا بواڑکا تھا۔ وجہت اس کا پس پوچھتے ہیں۔ سونے پر سہاگر اس کی پیروں ملک کی ذگری لی گئی۔ شاہزادہ اندر ہی اندر جز بزر ہو رہی تھیں۔ زونیرہ کا اتنے اعلیٰ خاندان میں رشتہ ہونے پر البتہ ناکلہ دل سے خوش تھیں

اور خواہش مند تھیں کہ ان کے نوال اور راتیل کے رشتے کی کوشش نہیں کی اتنا بیٹے۔ افراد نے سرد لبھی میں کہا۔

”میں نے اسے سمجھائی کی بہت کوشش کی پروہ نہیں رحمت علی اور افراد عمرہ کی سعادت حاصل کرنے چلے

”اور جیزی کیا وہ بھی تم سے محبت کرتے ہیں؟“ اس نے دشمنے لبھے میں پوچھا۔

”مجھے نہیں پتا مگر میں اتنا حانی ہوں کہ میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔“ زونی کی ناک، آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اتنا بغور سے دیکھا۔

”زونی..... تم جانتی ہو ناہ بڑی مایی ہیں پسند نہیں کرتی، جیزی ان کے اکلوتے بیٹھے ہیں، وہ ہرگز ایسا نہیں ہونے دیں گی۔ ان کا بس چلے تو وہ اپنے بیٹے کو سلیمانی ٹوپی پہنا کر رہیں تاکہ ہم لوگ ان کے پیوت کو دیکھ بھی نہ سکیں۔“ اتنا نے جلے کئے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر زونی کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھی۔

”زونی میں ماما سے بات کروں گی مگر پلیز تم نے جو کچھ مجھ سے کہا ہے وہ کی اور سے مت کہنا۔ سمجھو رہی ہو تاں رابی یا نوال سے بھی نہیں۔“ اسے صح کا واقعہ یاد آیا (جیزی اگر رابی پر گرج رہے تھے تو اس کا مطلب ہے کہ رابی بھی ان کی محبت میں گرفتار ہے) اس نے کڑھ کر سوچا اور زونی کے کمرے سے باہر آ گئی۔ رات کے کھانے کے بعد تا جان واک کے لیے جا چکے تھے۔

”زونیرہ سوگی؟“ افراد نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

”بھی سوگی ہے۔ ماما مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔“

”ہاں کہو۔“ افراد نے کتاب میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”زونی اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہے۔“ اتنا بیٹے نے دشمنے لبھے میں کہا۔

”تھیں کیسے پتا؟“ افراد نے جیرانی سے پوچھا۔

”اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے بات کروں۔“

”اس نے کہا اور تم چلی آئیں۔ تم نے اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی اتنا بیٹے۔“ افراد نے سرد لبھی میں کہا۔

”میں نے اسے سمجھائی کی بہت کوشش کی پروہ نہیں رحمت علی اور افراد عمرہ کی سعادت حاصل کرنے چلے

گئے۔ چانے سے پہلے رحمت علی نے جہانزیب کو خاص تاکید کی تھی کہ زوںی اور انابیہ کا خیال رکھے۔ جہانزیب اور دادا کی کسی بات سے انحراف کرے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ دونوں کا خیال رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا مرتباً کام تھا۔ زوںیرہ اس کے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی۔ کانج چانے کے لیے اس نے بڑے ماہوں سے کہہ کر دین لگوالی تھی کیونکہ اور نوال دونوں افراد کے ساتھ اس کی گاڑی میں کانج چاتی تھیں۔ نوال بھی اس کے ساتھ ہی دین پر جانے لگی تھی۔ البتہ انہوں کو پہلے بھی وہ ڈرپ کرتا تھا اور اب بھی انابیہ اس کے ساتھ ہی جاتی تھی۔

”تو کیا اس دن پہن میں زوںی تھی جس پر جہانزیب برس رہے تھے؟“ اس نے دل میں کہا۔

”کیوں..... ایسا کیوں ہوا؟ اس کی محبت کی آنج آپ تک کیوں نہیں پہنچی، کیا میری بہن کے جذبوں میں صداقت نہیں تھی۔“ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ گاڑی ٹریفک سکنل پر رکی ہوئی تھی۔

”ایسا نہیں ہے انہوں نے اتنا یہ اوپر والے کے کام میں وہ جس دل میں چاہتا ہے محبت اتنا دیتا ہے، یہ تمہارے پا میرے بہن کی بات نہیں ہے پھر میرے دل میں تو پہلے ہی کسی کے نام کا ٹھلا۔“ ان حکما ہے اور یہ گلستان اتنا گھنا اور خوبصوردار ہے کہ تھی، اس کے سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میری صحیح،

میری شام، میرا سوتا جا کرنا، میر اساؤن، جگنو، دیپ، ساز انجان بہن رہے ہیں۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہی ہو؟ اور میں کیوں کسی کی زندگی بردا کروں گا، میں ظالم نہیں ہوں انا، مجھے کسی کو بھی تکلیف میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔ چاہے وہ بی کا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔“ اس نے وہ دوسکرین سے نظر ہٹانا کر اس دشمن جان کو دیکھا جو اسے ظالم ثابت کرنے پر تھی ہوئی تھی۔

”میری بہن کی زندگی بردا کر دی آپ نے، وہ محبت رک چکی تھی۔ انابیہ جیسے کسی ٹراس سے باہر آئی تھی اس یقین نہیں ہو رہا تھا کہ جہانزیب کسی سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔“

”میری بہن کا کیا جو صحیح و شام آپ کو دیکھ کر کسی

گئے۔ چانے سے پہلے رحمت علی نے جہانزیب کو خاص تاکید کی تھی کہ زوںی اور انابیہ کا خیال رکھے۔ جہانزیب اور دادا کی کسی بات سے انحراف کرے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ دونوں کا خیال رکھنے کی پوری کوشش کر رہا تھا مرتباً کام تھا۔ زوںیرہ اس کے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی۔ کانج چانے کے لیے اس نے بڑے ماہوں سے کہہ کر دین لگوالی تھی کیونکہ اور نوال دونوں افراد کے ساتھ اس کی گاڑی میں کانج چاتی تھیں۔ نوال بھی اس کے ساتھ ہی دین پر جانے لگی تھی۔ البتہ انہوں کو پہلے بھی وہ ڈرپ کرتا تھا اور اب بھی انابیہ اس کے ساتھ ہی جاتی تھی۔

انابیہ کا مزاج آج کل کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔ پہلے تو وہ اس سے خوب مانتی کیا کہ تھی پران دونوں وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی منہ کی لگتی تھی۔ جہانزیب اسے بولنے پر اس کا مگرنا کام رہتا۔ آج رحمت علی اور افراد کو سخوتو یہ گئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ جہانزیب کے ضبط کی حد بھی اس اتنی تھی۔

”انہا پر اب لم کیا ہے تھیں؟ بات کیوں نہیں کر رہیں تھیں مجھ سے، کچھ بولا تا کہ مجھے معلوم ہو کہ میں نے آخر کپا گناہ کیا ہے جس کی تم مجھے سزا دے رہی ہو۔“ وہ جذباتی ہوتے بولا۔

”زندگی بردا کر دی ہے آپ نے کسی کی اور کس قدر انجان بہن رہے ہیں۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”میں نہیں جانتا تم کیا کہہ رہی ہو؟ اور میں کیوں کسی کی زندگی بردا کروں گا، میں ظالم نہیں ہوں انا، مجھے کسی کو بھی تکلیف میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔ چاہے وہ بی کا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔“ اس نے وہ دوسکرین سے نظر ہٹانا کر اس دشمن جان کو دیکھا جو اسے ظالم ثابت کرنے پر تھی ہوئی تھی۔

”میری بہن کی زندگی بردا کر دی آپ نے، وہ محبت کرتی ہے آپ سے لیکن آپ کو کیا؟ کوئی آپ کی محبت میں مز بھی جائے پر آپ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔“ اس کی آواز بھرائی۔ جہانزیب کو بڑی طرح جھکا گا۔

آزمائش سے گزرتی ہے۔

"میں کوشش کروں گا کہ میں اس کے سامنے نہ آؤں۔

اس طرح شاید اس کی مشکل آسان ہو جائے۔" جہانزیب

نے کہا تو وہ اپنا بیک سنجاہاتی ہوئی گاڑی سے نکل گئی۔

کہاں تو وہ جہانزیب کو شرمندہ کرنا چاہتی تھی اور کہاں خود

شرمسار ہو گئی تھی۔ وہ مرد ہو کر بھی اپنے جذبوں کی ناقدری

نہیں کر رہا تھا۔ مناسب وقت کے انتظار میں تھا اور زونی

لڑکی ہو کر بھی۔

"یا بام بھی لے جائیں گے؟" اس نے فیملی فوٹو ایم

اٹھا کر پوچھا۔

"ہاں، مجھے اپنی فیملی فوٹو زکوموبائل یا ایپ ٹاپ میں

رکھنا پسند نہیں۔ ذرا سی بے احتیاطی سے کوئی بھی ان تک

رسائی حاصل کر سکتا ہے۔" جہانزیب نے فصیلی بتایا۔

دو دفعے تیر کھکھلا ہوا تو دونوں ہی چوٹیں شامکلہ دروازے

میں کھڑی تھیں۔

"آم میں مام۔" وہ فرمی سے بولا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو انابیہ؟" انہوں نے سپاٹ

لچج میں اسے مخاطب کیا۔

"میں... میں... مامی وہ جیزی بھائی کا سامان پیک کر رہی

ہوں۔" اس نے احتیاط سے وہ کرٹل کا پین ہولڈر سوت

کیس میں رکھا جو اس نے پچھلی سالگرہ پر جیزی کو گفت کیا

تھا اور وہ اسے اپنے رائٹنگ بیبل پر رکھتا تھا۔

"تم جاؤ انابیہ باقی کا سامان میں پیک کروں گی۔"

شامکلہ مامی نے کہا تو وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

"نجائی مامی کو ایسا کر کے کیاں جاتا ہے۔ جیزی

بھائی کو اپنی جا کر بھٹتی ہیں۔ میں جیسے ان کی مملکت پر قبضہ

کروں گی، میں نے سوچا پیکنگ میں آپ کی ہیلپ

کروں گی۔" اسے بروقت بہانہ سوچتا۔ وہ بھی جانے کس

مود میں تھا صوفی پر جا کر بیٹھ گیا۔ کویا اسے اجازت

ساری باتیں کرنا تھیں۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شامکلہ کے

دے دی ورنہ اسے گھر کی لڑکیوں کا اپنے کمرے میں آتا

کریں تھا۔ اس کے ضروری کاموں کے لیے شامکلہ نے

صلیب کی فلاٹ سے وہ چلا گیا۔ وہ زیادہ با تو نہیں تھا

گھر کے جانے سے "رحمت کدے" میں نہایا پھیل گیا

"رحمت کدے" میں جوش کی لمبڑی دوڑ گئی تھی۔ رحمت علی

اور افراد عمرہ کی سعادت حاصل کر کے تھے ساتھ ہی

ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا۔ جہانزیب دوسرا کے لیے ملک

سے باہر جا رہے تھے۔ لندن میں تیار آفس لائچ کرنا تھا

ساتھ ہی جہانزیب کوئی کورس بھی کرنا چاہ رہے تھے۔

شامکلہ نے بہت واپیلا کیا، وہ اپنے اکتوبر نے بنیے کو خود سے

دور بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ جیزی نے آئیں تھیں میں

لیا تھا۔ جہانزیب کے جانے سے گھر میں کوئی بھی خوش

نہیں تھا۔

انابیہ تو دل ہی دل میں شرمسار تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ

جہانزیب اس کی بات کامان رکھنے کے لیے جا رہے ہیں۔

وہ جہانزیب کے کمرے کی جانب آئی اور دستک دے کر

اندر واٹل ہوئی اسے دیکھ کر وہ ایک پل کوٹھکا اور پھر مسکرا

دیا۔ وہ پیکنگ کر رہا تھا۔ بیڈ پر اس کے کپڑے اور دیگر

سامان بھرا ہوا تھا۔ ساتھ ہی سوت کیس کھلا ہوا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" جہانزیب نے سادہ لمحے میں

دریافت کیا۔

"تھی بالکل، میں نے سوچا پیکنگ میں آپ کی ہیلپ

کروادوں۔" اسے بروقت بہانہ سوچتا۔ وہ بھی جانے کس

مود میں تھا صوفی پر جا کر بیٹھ گیا۔ کویا اسے اجازت

ساری باتیں کرنا تھیں۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شامکلہ کے

دے دی ورنہ اسے گھر کی لڑکیوں کا اپنے کمرے میں آتا

کریں تھا۔ اس کے ضروری کاموں کے لیے شامکلہ نے

ملازمہ بھی ہوئی تھی اس کی صفائی بھی اس کی

غیر موجودگی میں اور شامکلہ کی نگرانی میں کرتی تھی۔ انابیہ اس

قا۔

اپنے بیڈروم میں گئی تو اب ایس کے پیچھا تھی۔

”تم خوش تو ہوں از زوئی؟“

”میری خوش ہونے یا نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ زندگی تواب مجھے ایسے ہی گزارنی ہے۔“ اوپری دل سے ہنس کر کہا۔ اس کے درد بھرے لہجے نے اتابیہ کا دل چیرڑا لالا۔

”ایک ایسا شخص جو نہ آپ سے محبت کرتا ہو اور نہ ہی آپ کی محبت کی قدر کرتا ہو بلکہ وہ شاید کسی اور سے ہی محبت کرتا ہو۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوتا۔“ اس نے بڑی بہن کو مجھے کافنوں سے نکالنے کی کوشش کی۔

”تمہیں کیسے پتا یہ سب کہ جیزی..... زونیرہ تیزی سے بولی۔

”بس مامی بھوک نہیں تھی۔“ وہ گرسی گھسیٹ کر بیٹھے محبت کرتے ہیں بہت شدید والی محبت۔ اتابیہ کو

چہانزیب کا کہا ایک ایک لفظ از بر تھا جانے کیوں۔

”کون ہے وہ لڑکی؟“ زونیرہ بے چین ہوئی۔

”معلوم نہیں انہوں نے یہ بتایا ہی نہیں۔“ اتابیہ نے کہا تو زوئی مایوں ہو کر بیٹھ پر چادر تان کر لیٹ گئی۔ اتابیہ پچھو دیر تک اسے دیکھی رہی اور پھر لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ آج رات زوئی پھر سے اپنی تاکام محبت کا سوگ منانے والی ہے مگر آخری بار۔

آخر میں زونیرہ کی شادی کے ننگے جاگ اٹھے

تھے۔ سب شدت سے چہانزیب کی کمی محسوس کر رہے

تھے۔ عشرت علی اور عظمت علی کی مصروفیات کو دیکھتے ہوئے

تاکہ نے رحمت علی کی اجازت سے عمر اور علی کو لاہور سے بلوا

لیا تھا تاکہ وہ باہر کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں اور یہ دونوں

بھائی بڑے خوش مزاج واقع ہوئے تھے۔ آج زوئی کی

سوچ۔ چائے کا کپ انھیا اس کے چہرے پر سچوں کا

ماں ہی گھر میں نہج سے ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ دوسرے شہروں

جال بن گیا تھا۔ زوئی کافی دیر سے آئی تھی۔ ذرودہ

ریشورنٹ میں کرچکی تھی۔ اس کا موڈ کافی خوفگوار تھا۔ عزیز آیا کہ اس کے سوٹ کی پیچنگ جوئی نہیں آئی۔ تاکہ نے

نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا تھا۔ وہ جب سونے کے لیے اسے عمر کے ساتھ مارکیٹ روانہ کیا اور زوئی کے لیے

اتابیہ کا لج جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب افراد نے اسے آواز دی کہ ڈرائیور آگیا ہے۔ چہانزیب جانے سے پہلے ایک جزوئی ڈرائیور کا انتظام کر کے گیا تھا۔ کانج جاتے ہوئے بھی راستے میں جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ کانج میں کلاسز کے دو ران بھی اس کا ذہن زوئی اور چہانزیب کے ارد گرد چکراتا رہا۔ کانج سے واپس آ کر وہ بیٹا کچھ کھائے ہی سونے کے لیے لیٹ گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو انہیں ہر اچھیل چکا تھا۔ وہ فریش ہو کر چکن میں آئی جیاں تاکہ مامی اور راتیل رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

”اتام نے لج کیوں نہیں کیا؟“ مامی نے شفقت سے

پوچھا۔

”بس مامی بھوک نہیں تھی۔“ وہ گرسی گھسیٹ کر بیٹھے ”مجھے جیزی بھائی نے خود بتایا ہے کہ وہ کسی لڑکی سے گئی۔“

”اب کیا لوگی؟“ مامی زوئی کہا۔

”آپ دینے دیں میں خود ہی چائے کے ساتھ کچھ ہلکا چھلکا لے لوں گی۔“ اس کی بات کے بعد رابی اس کے لیے چائے کا پانی چوپ لے پر کھچکی تھی اوناں اس کے لیے سیٹ دوچ تیار کر رہی تھی۔ تاکہ کو وہ بہت پیاری لگتی تھی۔ انہیں خیال آتا تھا کہ اگر ان کا بیٹا ہوتا تو وہ اتابیہ کو اپنی بہوبنا لیتی۔

”مامی زوئی کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”عزیز اور اس کی ماما آئے تھے وہ زوئی کو برائی دل ڈریں اور دیگر شاپنگ کروانے کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

عشرت علی کو کیا پسند آتا ہے۔“ تاکہ نے

خوش دلی سے مسکرا کر کہا تو وہ جواب آمسکاری۔

”کاش اسے عزیز پسند آجائے۔“ اتابیہ نے دل میں

سوچ۔ چائے کا کپ انھیا اس کے چہرے پر سچوں کا

ماں ہی گھر میں نہج سے ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ دوسرے شہروں

جال بن گیا تھا۔ زوئی کافی دیر سے آئی تھی۔ ذرودہ

ریشورنٹ میں کرچکی تھی۔ اس کا موڈ کافی خوفگوار تھا۔ عزیز آیا کہ اس کے سوٹ کی پیچنگ جوئی نہیں آئی۔ تاکہ نے

نے دل کھول کر پیسہ خرچ کیا تھا۔ وہ جب سونے کے لیے اسے عمر کے ساتھ مارکیٹ روانہ کیا اور زوئی کے لیے

کالوں کے سارے لڑکے انہیں ہمارا بھائی ہی سمجھتے ہیں۔ اس گھر کی بھلی خوشی ہے اور وہ سات سیندر پار بیٹھے ہیں۔” نوال کی آنکھوں میں تی چمک رہی تھی۔ وہ بہت حساس تھی، انا بی کو ملال نے گھر لیا۔

”نوال آج کی تقریب میں تم نے کچھ محسوس کیا۔“ اس نے خود پر قابو پا کر نوال کا ذہن بٹانا چاہا۔ نوال نے اسے سوالیہ نظر دیں سے دیکھا۔ ”عمر کی امی اپنی رابی کو بڑے غور سے اور مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔“

”کیا مطلب؟“ اس نے چائے کے گھر میں سیٹ کیے۔

”بھی مجھے تو وال میں کچھ کالا نیلا لگ رہا ہے۔“ وہ شرارت سے مسکرائی اور ٹرے اٹھا کر سنگ روم کی جانب بڑھ گئی جہاں سب چائے کے منتظر تھے۔ نوال نا بھی سے سر ہلاتی ہوئی انا بی کے پیچھے کچن سے نکل آئی۔ بزرگوں کے درمیاں نکاح کی رسم اور بارات کی تقریب موضوع گفتگو تھی۔ وہ دونوں بھی دیچپی محسوس کرتے ہوئے اصر ہی نک گئیں۔ وہ نوال کا ذہن جہانزیب کی جانب سے بٹانے میں کامیاب رہی تھی۔

یہ گرین لہنگے میں دہن بنی زونیرہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ مشہور بیوی سیلوں کے میک اپ نے اس کے حسن کو چار چاند لگادیے تھے۔ دلبہ بنا عزیز بھی بلیک شیر والی اور کلاہ میں فوج رہا تھا۔ انا بی نے نبی بیلو سلک کا گاؤں زیب تن کر رکھا تھا اور اس ملبوس میں وہ کسی کے دل میں اتر چکی تھی مگر وہ اس سچائی سے بے خبر بہن کی خوشی کے موقع پر اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ نکاح کے بعد صافت کا انتظام تھا۔ تقریب کا انتظام شہر کے فاسیو اسٹار ہوٹ کے بینکوٹ ہال میں کیا گیا تھا۔ اسکائی بیلو میکسی میں ملبوس نوال اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ البتہ رانیل اسچ پر زونیرہ کے ساتھ موجود تھی۔ اسچ پر فوٹو شوت ہو رہا تھا۔ شاکلہ بھائی

نے افراح کا تعارف شہنماز بیگم سے کروایا جو کہ شاکلہ کے تایا زا بڑائی کی بیوہ تھیں۔ قیمتی سارٹھی اور پھرولوں کی موجودگی ہمارے لیے کسی سائبان سے کم نہیں۔ یاد ہے

پھولوں کے گہنے بھرائی سے منگوا لیے جبکہ انا بیہن صبح سے ہی اس کے کمرے میں ھنسی ہوئی تھی۔ وہ اپنی اسکول لاںگ کے قصے دھراتے ہوئے نہ رہی تھی۔ دونوں ہی مگن تھیں۔ افراح نے کمرے میں جھانکا اور پھر کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئیں۔ دو سال پہلے ان کے نام نہاد باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے بڑی ہونے کے بعد اس نے بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ افراح نے اس کے انتقال کی خبر ان سے چھپائی تھی کہ بچیاں دیکھی ہوں گی۔ تقریب کا انتظام رحمت گدے کے لان میں تھا۔ علی انتظامات میں معروف تھا۔ اس کے ساتھ کئی درکر زیبھی شامل تھے آج اس کی والدہ بھی لا ہور سے شادی میں شریک ہونے آرہی تھیں۔ بواجو کہ تین ماہ پہلے اپنے بھائی کے انتقال پر شکار پور گئی تھیں۔ دو دن پہلے ہی واپس آچکی تھیں اور اس وقت براہمیے تخت پر بنتی زونیرہ کے مالیوں کے دو پسے پرنیل لگا رہی تھیں۔

”بٹا ذرا دیکھنا تھک سے تو گلی ہے؟“ انہوں نے پاس سے گزرتی افراح گوپکار۔

”جی اماں بی بہت خوب لگ رہی ہے بس دعا کیجئے کہ نئی زندگی میری بیٹی کو راس آجلے۔“ افراح نے دوپٹا دیکھتے ہوئے کہا۔ مااضی کے اندریشے انہیں خوف زدہ کردہ ہے تھے۔

”مولانا کرم کرے گا تم دل چھوٹا نہ کرو۔“ بوانے افراح کا کندھا تپھایا۔

”افراح لندن سے جہانزیب کی کال ہے تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔“ عظمت بھائی سنگ روم کے دروازے پر گھڑے تھے۔

”آج جیزی بھائی کو بہت مس کیا میں نے۔“ مالیوں کی تقریب ختم ہونے کے بعد انا بیہن اور نوال سب کے لیے چائے بنارہی تھیں۔ جب نوال نے ذکر چھیڑا۔

”انا بے شک وہ زیادہ باتوں نہیں ہیں نہ بڑی امی ہمیں ان سے فریب ہونے دیتی تھیں پھر بھی ان کی موجودگی ہمارے لیے کسی سائبان سے کم نہیں۔ یاد ہے

وقت انہوں نے شماںکہ پر ارادہ ظاہر کیا کہ وہ جلد ہی رحمت کدے آئیں گی۔ اپنے اکلوتے میٹے کاشان جبیب کا رشتہ اناابیہ کے لیے لے کر۔ شہنہاز بیگم کی بات سن کر شماںکہ کے اندر تک سکون اتر گیا۔ رخصتی کے وقت زوںی اور اناابیہ سے زیادہ رائیل نے آنسو بھائے تھے۔ سیلی کی متوقع جدائی پر زوںی کے جانے کے بعد گمراہی فضائیں ادا کی محل گئی تھی۔ دیے کے بعد علی اور عمر بھی اپنے شہراوٹ رہے تھے۔ جانے سے مسلسل عربی والدو نے رحمت کدے کی رضا مندی سے رائیل کو اعتمادی پہنادی تھی۔ تین ماہ بعد کی تاریخ بھر کر دی گئی تھی شادی کے لیے۔ اس رشتے سے سب ہی خوش تھے رائیل سمیت۔ زوںی ہنی مون کے لیے عزیز کے ساتھ طاچیشا جا چکی تھی۔ اناابیہ اور نوال امتحانوں کی تاریخ میں مگن تھیں۔ دو دونوں ارڈر گرڈ کے ماحول سے بے خبر تھیں۔ ان کی بھرپوری میں ہی شہنہاز بیگم اپنے صاحب زاوے کے ساتھ رحمت لدے تشریف لائی تھی۔ وہ کافی تھی باری آئی تھی اور لینگ روم میں موجود مہماںوں کو حصہ لے رہی ہے اور تم اتنا اس قدر بے زار نظر آ رہی ہو جیسے وہ گئے باعث سے سلام کر کے کمرے میں چلی گئی۔ چند روز بعد اس مرعده کھلا کہ اس روز شہنہاز بیگم اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ شماںکہ ماجی نے منداور سرگی بھر پور تسلی کرائی تھی اک کاشان ایک بہترین انتخاب ہے۔ ممانے جب اس سے رائے مانگی تو اس نے فضیلے کا اختیار انہیں سونپ دیا۔ اس کے فل کی سلیٹ کوئی تھی۔ نہ ہی سوچوں پر کسی کا پہرہ تھا۔ رشتہ طے ہونے کے بعد دونوں جانب شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ رائیل اور اس کی شادی ایک ہی دن ہونا قرار پائی تھی۔ زوںیہ کوفون پر یہ خبر سنا دی گئی تھی۔ اس نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا تھا۔ کاشان زیادہ تر لندن میں رہتا تھا۔ وہاں ان کا برس تھا۔ اناابیہ کو بھی شادی کے بعد لندن ہی جانا تھا۔ آج کل اس پر یا سیت سوار تھی۔ ناہ کے ساتھ واک پر جانا بھی چھوڑ کر کھا تھا۔ رحمت علی کئی دنوں سے اس کے مزاج کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ آج انہوں نے اس ساتھ کمرے میں بلوایا۔

"تم خوش تو ہوں میا؟ افراد نے تم سے رائے تو لی تھی تھی۔ ناہ بے جھین ہوئے۔

"پوچھا تھا میں نے کہہ دیا کہ جوان کا دل چاہے کر جس پر ناہ میں آپ سب لوگوں سے دور اس طرح بالکل اجبی لوگوں میں کیسے ایڈ جست کروں گی پھر کاشان کے مزاج سے میں بالکل ناواقف ہوں۔" بے اختیاری میں اس نے تاریخ میں مگن شیر کی۔

"بیٹا ایسا وقت ہر لڑکی پر آتا ہے پھر میری اتنا تو بہت سمجھدار ہے۔" انہوں نے جھک کر اس کا سر سہلا یا۔

"رائیل کو دیکھو چلتا۔ شادی کی تیاریوں میں بھرپور سے تھکی باری آئی تھی اور لینگ روم میں موجود مہماںوں کو حصہ لے رہی ہے اور تم اتنا اس قدر بے زار نظر آ رہی ہو جیسے وہ گئے باعث سے سلام کر کے کمرے میں چلی گئی۔" انہوں نے بغور سے دیکھا۔

"ناہ جان، اسکی بات نہیں ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"میں جانتا ہوں میٹا پر دیکھنے والا تو یہی سمجھے گا۔ اپنی شادی کی تیاریوں میں دیکھی لو بیٹا۔ ہنس، مسکراو، خوش رہو۔ میٹا تم نئی زندگی کی شروعات کرنے جا رہی ہو۔" رحمت علی نے اس کی موهنی صورت کو بغور دیکھا۔

"ٹھک ہے ناہ جان، آپ جیسا چاہتے ہیں ایسا ہی ہو گا۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ وہ ناہ جان کو اس عمر میں دکھو دینا نہیں چاہتی تھی۔ ایک ہفتہ بعد زوںی بھی آگئی۔ وہ مزید خوب صورت ہو گئی تھی۔ اسے عزیز کی محبت نے جیت لیا تھا۔ وہ سب کے لیے تھاں لائی تھی۔

"میں اسے بھولی نہیں ہوں، میں نے ان سے محبت کی ہے۔ انجوائے منٹ نہیں۔" موقع ملئے ہی اس نے اناابیہ کے کان میں سرگوشی کی۔

"اور عزیز بھائی۔" اناابیہ نے جواب اس کو شوٹ کی۔

وقت انہوں نے شماںکہ پر ارادہ ظاہر کیا کہ وہ جلد ہی رحمت کدے آئیں گی۔ اپنے اکلوتے میٹے کاشان جبیب کا رشتہ اناابیہ کے لیے لے کر۔ شہنہاز بیگم کی بات سن کر شماںکہ کے اندر تک سکون اتر گیا۔ رخصتی کے وقت زوںی اور اناابیہ سے زیادہ رائیل نے آنسو بھائے تھے۔ سیلی کی متوقع جدائی پر زوںی کے جانے کے بعد گمراہی فضائیں ادا کی محل گئی تھی۔ دیے کے بعد علی اور عمر بھی اپنے شہراوٹ رہے تھے۔ جانے سے مسلسل عربی والدو نے رحمت کدے کی رضا مندی سے رائیل کو اعتمادی پہنادی تھی۔ تین ماہ بعد کی تاریخ بھر کر دی گئی تھی شادی کے لیے۔ اس رشتے سے سب ہی خوش تھے رائیل سمیت۔ زوںی ہنی مون کے لیے عزیز کے ساتھ طاچیشا جا چکی تھی۔ اناابیہ اور نوال امتحانوں کی تاریخ میں مگن تھیں۔ دو دونوں ارڈر گرڈ کے ماحول سے بے خبر تھیں۔

زاوے کے ساتھ رحمت لدے تشریف لائی تھی۔ وہ کافی تھی باری آئی تھی اور لینگ روم میں موجود مہماںوں کو حصہ لے رہی ہے اور تم اتنا اس قدر بے زار نظر آ رہی ہو جیسے وہ گئے باعث سے سلام کر کے کمرے میں چلی گئی۔ چند روز بعد اس مرعده کھلا کہ اس روز شہنہاز بیگم اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ شماںکہ ماجی نے منداور سرگی بھر پور تسلی کرائی تھی اک کاشان ایک بہترین انتخاب ہے۔ ممانے جب اس سے رائے مانگی تو اس نے فضیلے کا اختیار انہیں سونپ دیا۔ اس کے فل کی سلیٹ کوئی تھی۔ نہ ہی سوچوں پر کسی کا پہرہ تھا۔ رشتہ طے ہونے کے بعد دونوں جانب شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ رائیل اور اس کی شادی ایک ہی دن ہونا قرار پائی تھی۔ زوںیہ کوفون پر یہ خبر سنا دی گئی تھی۔ اس نے بھرپور خوشی کا اظہار کیا تھا۔ کاشان زیادہ تر لندن میں رہتا تھا۔ وہاں ان کا برس تھا۔ اناابیہ کو بھی شادی کے بعد لندن ہی جانا تھا۔ آج کل اس پر یا سیت سوار تھی۔ ناہ کے ساتھ واک پر جانا بھی چھوڑ کر کھا تھا۔ رحمت علی کئی دنوں سے اس کے مزاج کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ آج انہوں نے اس ساتھ کمرے میں بلوایا۔

"جی ناہ جان..... آپ نے بلایا؟" وہ صوفے پر نکل

مگر مانے میری بات نہیں مانی، ان کا خیال تھا کہ میرے دل شادی نہ کرنے سے خاندان اور سوسائٹی میں لوگ باتیں بنائیں گے۔ میں ان کی متتا کے آگے مجبوہ ہو گیا ہوں۔ میری ہمایا کا کہنا ہے کہ اتابیہ بہت محصوم اور سادہ ہے۔ ماں آپ کی مخصوصیت کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ اتابیہ شستر کی اسے دیکھ رہی تھی مگر وہ اتابیہ کی طرف متوجہ نہیں تھا بلکہ وہ دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔

”میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں شادی کے قابل ہی نہیں ہوں۔ آپ آرام کریں میں برابر والے روم میں جا رہا ہوں۔“ وہ بات ختم کر کے دامیں دیوار میں موجود دروازہ کھول کر گاس ہوا اور دروازہ پھر سے بند ہو گیا تھا۔

atabiye سوچ رہی تھی کے ممانے کہا تھا کہ شامیل بھابی نے خوب چجان پھٹک کر کے نند کے لیے دناد کا انتخاب کیا تھا۔ پوری رات اتابیہ نے غم مناتے ہوئے گزار دی تھی۔ اپنا آپ پہلے کبھی اس قدر ارزان نہیں لگا تھا۔ فجر کی اذان کی آواز ان گراس کے حواس جا گئے، نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو زبان سے ٹکوہ پھسل گیا۔

”مولانا ان آزمائش کے لیے میرا ہی انتخاب کیوں کیا، میں بہت کمزور ہوں، میرے مالک مجھے ہفت عطا کر۔“ اس نے دعاء مانگ کر چھپے پر ہاتھ پھیرا جو آنسوؤی سے تر تھا۔ فجر کے وقت نافی کئی ان کی دعاؤں کا اثر ہی تھی جو وہ صبح گھر والوں کی آمد پر جب ان سے ملی تو اس کے چھپے رگز ری رات کا شائبہ تک نہ تھا۔ ادا کاری تو شہناز بیکم نے بھی خوب کی تھی۔ کاشان جسیب کو مسکرا کر زونیرہ سے بات کرتا دیکھ کر وہ شستر رہ گئی تھی۔ دل بری طرح کر لیتا۔ اس نے کہا تھے ہوئے اپنا سر تکیے میں رکھا ایسا لگ رہا تھا کہ سانس ابھی رک جائے گا۔ دل پر منوں بوجھ آگرا تھا۔ لگتا تھا ندی اب اسی بوجھ کے ساتھ ہی گزارنی پڑے گی۔ کچھ دیر پہلے کی تو بات ہے کاشان جسیب کرے کے وسط میں کھڑا تھا اور اس کی مخاطب اس کی نئی نویں بیوی تھی۔

”رحمت کر۔“ میں سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

مرتع شیخ تما اور زوفی نے اس سے کاشان کے رویے

کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے مناسب الفاظ میں

”وہ بہت اچھے ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ وہ میرے دل کے مکین بنتے ہوئے ہیں۔“ زونیرہ کی بات سن کر اتابیہ نے سکون کا سانس لیا۔ افراح کی خواہش تھی کہ جہانزیب لندن سے آ کر اتابیہ اور رانیل کی شادی میں شرکت کرے جب پاکستان سے اس کے آفس فون کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ چھٹیاں گزارنے شہر سے باہر گیا ہے۔ افراح نے اس کے فلیٹ کے فون نمبر پر پیغام ریکارڈ کرایا تھا۔ بعدہ شادی کی تاریخ کے پھر معلوم ہوا کہ وہ ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں مانچسٹر چلا گیا۔ ادھر رانیل اور عمر کی شادی ہو گئی۔ اتابیہ کاشان کے ساتھ رخصت ہو کر کاشان والا آگئی۔

چہانزیب سات سمندر پار بے خبر ہی رہا کہ رحمت کدے میں کتنا سنا ہو گیا ہے۔ پورا وجود ایک اذیت تاک اضطراب کے حصار میں تھا۔ دل سے جیسے قطرہ قطرہ ہبوبہ کر سانسوں کو بوجھل کر رہا تھا۔ قسمت نے کیسا وار کیا تھا کہ وہ کسی کو اپنے آنسو دکھانے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ دو دن سے وہ اپنے فلیٹ میں بند تھا۔ کئی مرتبہ ڈورنیل بجی۔ بارہا اس کا سیل فون گنگنا یا ہر وہ سب سے خفا تھا۔ جانتا تھا غلطی اس کی اپنی تھی۔ اسے کسی کوتا پنے راز میں شریک کرنا چاہیے تھا۔ کاش وہ افراح پھوپوکی دل کی بات بتا دیتا تو آج اس کی زندگی یوں ویران نہ ہوتی۔ مانچسٹر سے لوٹ کر جب اس نے شیلفیون پر ریکارڈ پیغامات نے تو اس کے اروگردھما کے ہونے لگے تھے۔ اس کا وجود کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا تھا۔

”کاش انویں یہاں آنے سے پہلے تمہیں اپنا پابند کر لیتا۔“ اس نے کہا تھے ہوئے اپنا سر تکیے میں رکھا ایسا لگ رہا تھا کہ سانس ابھی رک جائے گا۔ دل پر منوں بوجھ آگرا تھا۔ لگتا تھا ندی اب اسی بوجھ کے ساتھ ہی گزارنی پڑے گی۔ کچھ دیر پہلے کی تو بات ہے کاشان جسیب کرے کے وسط میں کھڑا تھا اور اس کی مخاطب اس کی نئی نویں بیوی تھی۔

”atabiye میں آپ کے ساتھ ہو کر وہی نہیں کرنا چاہتا تھا“

بھولنے میں آسانی ہو۔

”اگر دوسال بعد بھی وہ نہ آئے تو.....؟“ اتنا بھی ہوئی۔

”میں اس کے باپ کا بھی باپ ہوں۔ اسے زیادہ من مانی نہیں، کرنے دوں گا۔ یہاں کچھ معاملات نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں خود لندن جا کر اس کے کام کھینچوں گا۔“ تانا جان نے اسے اپنا پروگرام بتایا۔ اس کی آنکھیں چکنے لگیں۔

”پھر آپ مجھ سے ملنے بھی آئیں گے تاں؟“ اس نے آس سے پوچھا۔ دل کو یہ خیال ہی کی آ رہے کی طرح چیر رہا تھا کہ اسے اپنے پیاروں کو چھوڑ کر ایک اجنبی کے ساتھ ساتھ سمندر پار جا کر زندگی گزارنی ہے۔ اس شخص کے ساتھ جو اس کا نام نہاد شوہر ہے۔ نجانے اس کے ساتھ نکاح جائز تھا بھی یا نہیں۔

”ظاہر ہے جب لندن آؤں گا تو تم سے ملنے تو آؤں گا، ہی بلکہ جہانزیب سے کہوں گا وہ مجھے تم سے ملوانے لے جائے۔“ تانا جان نے اس کی سلسلی کرائی۔ تانا جان کافی دری تک جہانزیب کی ہی یا تمیں کرتے رہے کہ وہ بہت فرماس بروار بچ ہے لندن جا کر اسے نجانے کیا ہو گیا ہے۔ شاید لندن کے سردموسم نے اس کے جذبات کو بھی مجمد کر دیا ہے ورنہ تو کسی کی تاریخی سہبہ نہیں ملتا کجا کے خود ناراض ہو گر بیٹھ گیا۔

تانا اپنے کمرے میں سونے گئے تو وہ اپنے کمرے میں آگئی اور ایک ایک چیز کو چھو کر محسوس کرنے لگی۔ نجانے دوبارہ کب اس کمرے میں آتا نصیب ہو۔

جہاں اس نے بچپن اور جوانی کے کئی سال گزارے تھے۔ یہ کرہ اس کی بُسی، اس کے آنسو، اس کے پل پل کا گواہ تھا۔ رات بیت رہی رہی تھی۔ وہ بھی سونے لیٹ گئی۔ اسے سی آف کرنے آئے تھے۔ ایس پورٹ پر ماما، زو نیرہ اور عزیز دوسرے دن وہ لوٹ آئی۔

فلائٹ نے لینڈ کیا تو صبح کے چار نگ رہے تھے۔ باہر آفس کا ذرا سیور گاڑی سمیت موجود تھا۔ معلوم ہوتا تھا کاششان لندن میں بھی شاہانہ زندگی گزارنے کا عادی ہے۔ اس کا

انہیں مطمئن کر دیا تھا۔

”ویکھا ماما، میں کہتی تھی سب تھیک ہے پاپ خوانواہ پریشان رہیں رات بھر۔“ زو نیرہ نے افراد کی جانب رکھ کیا۔ اتنا بھی افراد کو دیکھتی رہ گئی۔

”پھر نہیں کیوں دل بہت گمراہا تھا۔ رات بھر سو نہیں پائی۔ تمہاری شادی کے وقت ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا تھا اب کہ اس قدر بے چینی ہوئی تو میں ڈر گئی کہ میری بیٹی کے ساتھ کچھ خلط تو نہیں ہو گیا۔“ وہ اسے مشتمی نظر دیں سے تک رہی تھیں۔ اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

”میرے مالک کا کرم ہے جس نے مجھے دلوں بیٹھیوں کی ذمہ داری سے بخل دش کر دیا۔“ افراد نے مزید کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اندر ہی کہیں آنسو گر رہے تھے۔ دیسے کے اگلے روز وہ پھر ”رحمت کدے“ آئی

تحمی دور روز کے لیے کونکہ پھر تو اسے لندن چلے جانا تھا۔ رانیل کا دلیمہ ملتی ہو گیا تھا کونکہ عمر کے خاندان میں کسی عزیز کا انتقال ہو گیا تھا۔ وہ لوگ اسلام آباد جا چکے تھے۔

”آتا تم خوش تو ہوتا بیٹا؟“ تانا جان نے پوچھا۔

”میں بہت خوش ہوں تانا اور میری خوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرے پیارے تانا اور میری مما خوش ہیں۔“

اس نے تانا کے بازو سے گال رکڑا۔

”چ کہہ رہی ہو میں اور افراد دلوں خوش ہیں کہ ہماری زندگی میں ہی تم دلوں بہنیں اپنے گھر کی ہو گئیں۔“

اب اپنے اپنے گھر میں اپنے شریک سفر کے ساتھ ایک بہترین زندگی گزارو۔ ہمیں اس سے بڑھ کر کیا چاہیے۔

جہانزیب بہت یاد آتا ہے، دل چاہتا ہے وہ جلد لوٹ آئے۔ معلوم نہیں وہ لڑکا کیا تھا نے بیٹھا ہے۔ فون پر بھی نہیں ملتا، عشرت بہارہ تھا خفا ہے وہ۔ اسے تمہاری اور رانیل کی شادی کا کیوں نہیں بتایا جبکہ شاہزادہ کا کہنا ہے کہ وہ ان دلوں مصروف تھا، فون پر بات نہیں ہو پا رہی تھی۔“ تانا

نے موضوع بدل دیا وہ جہانزیب کے لیے پریشان تھے۔

اتا بھی نے خود کو نامت میں گھر لایا اس نے ہی تو جہانزیب کو دور جانے کا کہا تھا تاکہ اس کی بہن کو اپنی پہلی محبت کو

”مجھے تقریباً آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے میری مدریہاں ہوتی تھیں۔ ان کی ذمہ کے بعد میں نے یہ ذمہ داری سنبھال لی۔ سرکی کال آتی تھی آپ کے لیے مقبی ہے کہ رات پارٹی میں جانا ہے آپ زینی رہنے گا میدم۔“ کیرولین نے اسے کاشان کا پیغام پہنچایا۔ اسے ایسا لگا کہ کیرولین نے جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا۔ وہ لمح ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ٹرن... ٹرن...“ میلفون کی ٹھنڈی بج رہی تھی۔ اس نے چمکتی اسکرین سے نظر ہٹا کر دیکھا اور میلفون سیٹ کی جانب بڑھنے لگی۔ فون پاکستان سے تھا وہ سری جانب زونیہ خوشخبری کے ساتھ موجود تھی۔

”کا... تم خالہ جانی بننے والی ہو۔“ زونیہ بہت خوش تھی۔

”بھی زونی...! بہت خوش ہوئی یہ سن کر یہ بتاؤ بے بی کب آئے گا؟“ وہ ایک دم کھل اٹھی۔

پارے صبر کرو بھی بہت ناکم ہے بے بی کے آنے میں، یہ بتاؤ تم کب خوشخبری سناؤ گی، میں کب خالہ بنوں گی۔“ وہ سری جانب سے زونیہ کو مطمئن کیا۔ حماسے بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ جلد ہی نانا بھی لندن آنے والے ہیں۔ نانا کا نے کاس کر سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا تھا۔

”آپ ریڈی ہیں انا بیہا؟“ ڈنر سوٹ میں لمبیں وہ دروازے میں کھڑا پوچھ رہا تھا۔

”بھی میں آرہی ہوں۔“ اس نے پر سکون انداز میں جواب دیا۔ کل رات سے ہی تو اس نے رب سے رابطہ جوڑا تھا۔ اس طرح کر کے دل کو بہت سکون ملا تھا۔ اضطراب اور بے چینی کا خاتمه ہو گیا تھا۔

”اوے کے میں گاڑی میں ویٹ کرتا ہوں آپ آ جائیں۔“ وہ اتنا کہہ کر چلا گیا۔ انا بیہا نے کان میں ایک رنگ کش پکڑ کیا اور لمح اٹھا کر کرے سے نکل آئی۔ کیرولین یارڈ میں آگئی اور ایک بیخ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

”کیرولین تم کتنے عرصے سے یہاں ہو؟“ اس نے لمح کرتے ہوئے پوچھا۔

”کہہ۔ وہ ایک سیاہ قام مگر خوب صورت عورت تھی۔ کاشان کے روزمرہ معمولات کی اسے خبر رہتی تھی۔ کس وقت وہ اٹھتا ہے، کتنے بجے وہ کافی لیتا ہے، کب آفس جائے گا، کب ڈنر ہوگا۔ انا بیہا کے لیے یہاں کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ یہاں بھی اس کے بیڈروم کے اندر ہی دوسرے پہڈ روم کا دروازہ تھا۔ دونوں میں ضرورتا ہی بات چیت ہوتی تھی۔ اس دن آفس جاتی ہوئے کاشان نے اسے کیش دیا کہ وہ لندن کے موسم کے حساب سے اپنے لیے شاپنگ کر لے۔ ویک اینڈ پر وہ دونوں کاشان کے دوست کے گھر انوائیں تھے۔ کاشان نے مزید کہا کہ وہ ہیلپ کے لیے کیرولین کو ساتھ لے جائے۔ سو وہ شام کے وقت کیرولین کے ساتھ مارکیٹ آگئی۔ گاڑی کیرولین نے ہی ڈرائیور کی تھی۔ انہیں شاپنگ میں کافی وقت لگ گیا تھا۔ انا بیہا کو لندن کی اداس شام نے مزید اداس کر دیا تھا۔ آج اسے جہاں زب بھی یادا رہے تھے۔

صح اس کی آنکھ موسیقی کی آواز سے کھلی تھی۔ موسیقی کا باخذ برابر والا کمرہ تھا۔ جہاں کاشان جبیب کا وقت گزرتا تھا۔ ”یہ کون سا وقت ہے میوزک سننے کا؟“ اس نے سوچا اور احتیاط سے ناب گھما کر ڈر اسادر واڑہ کھولا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے روکھیے کھڑے ہو گئے۔ وہ سرخ زنانہ کپڑوں میں ملبوس تھا، دیگر لوازمات کے ساتھ وہ ناچ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سرشاری کا عالم تھا۔ جیسے وہ کسی دوسری دنیا میں پہنچا ہوا ہو۔ انا بیہا کو محسوں ہوا کہ شاید اس کے پر اب اس کا بوجھ اٹھا نہیں پائیں گے۔ انا بیہا کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر وہی کھڑے۔

”کیا قصور تھا اس کا؟“ کیسا سگین مذاق کیا تھا اس کے ساتھ وقت نے، وہ کمرے سے نکلی اور گھر کے بیک یارڈ میں آگئی اور ایک بیخ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

”کیرولین تم کتنے عرصے سے یہاں ہو؟“ اس نے

”آپ..... جیزی بھائی..... آپ کیسے ہیں..... کہاں تھے آپ؟“ اس کی بے اختیاری پر جہانزیب مسکرا لیا۔ یمنارضا ان دونوں گواپس میں باشیں کرتا دیکھ کر اپنے کولگ کی جانب بڑھ گئی۔

”!؟ وہ آف شی تھا در نہ تم سے ملنے ضرور آتا۔“ اس نے جھوٹ گھرا۔ اسے دیکھ کر جانے کتنے ہی رخنوں کے منہ کھل گئے تھے۔

”آپ کو کیا پتا، میں یہاں خود کو کس قدر تھا محسوس کرتی ہوں۔“ بے اختیاری میں اس کی زبان سے لٹکے الفاظ سن کر وہ چونکا۔

”تمہارے ہر بیٹے؟“ اس کی خوب صورت آنکھوں میں اضطراب ہلکوڑے لینے لگا۔

”وہ میرے ہر بیٹے ہیں جبکہ آپ سب مہماں زوں، تانوں، ماموں تو میرے اپنے ہیں۔ پچھن سے آپ کے درمیان رہی ہوں اور یہاں آ کر مجھے اچھا نہیں لگ رہا، سب بہت کاشان اپنے حلقوں کے لوگوں سے اسے ملاونے لگا۔ یہاں سالس بحال ہوا۔ اس کی انوکھوں دکھ ملے یہ تو وہ مدھوشی میں بھی نہیں ہو ج سکتا تھا۔

”ٹواو اپنے صاحب سے۔“ اس کے دل کے کونے میں بیٹھا ہیٹھا درو جانے لگا۔

”میں کاشان کے ساتھ ہی تو آئی ہوں، ایکچوئی میں سہیل۔“ ان کے بزنس پارکر ہیں۔ دونوں کو کچھ بزنس دیکھن کرنا نہیں سبودہ اندر گئے ہیں۔ ”اس نے آنکھوں سے لندن میں ہمی۔ یہاں وہ اپنے بھائی کی فیملی کے ساتھ رہ کر رہی تھی۔

”اچھا یہ بتاؤ، تم خوش تو ہوئا؟“ جب تک وہ زبان سے اقرار ہیں کرے گی اسے سکون نہیں ملے گا۔ جہانزیب کی بات پر وہ چوکی۔ ”کیا پوچھ رہا تھا وہ کسی ادھورے شخص کی ہمراہی میں خوشی ملتی ہے یا ادھورا پن نصیب بنتا ہے۔“

”میں کاشان کے ساتھ خوش ہوں جب ہی تو لندن میں لگی ہوئی ہوں ورنہ پاکستان لوٹ جاتی۔ آپ جانتے تو ہیں مجھے اچھی طرح۔“ اس نے بروقت خود کو سنبھالا پر جانے کیوں جہانزیب کے اندر کچھ کھٹک رہا تھا۔ تب ہی کی بلا اختیاری پر بند باندھا تھا۔

”زندگی گزار سکتے۔“ دوران سفر انابیہ نے سکھیوں سے اپنے ہم سفر کو دیکھا جو ایک شاندار شخصیت کا مالک مگر ایک اٹھوارہ مرد تھا۔ اس نے انابیہ کی نظریں خود پر محسوس کر لی تھیں۔ عب سی گرد موز کر سے دیکھا۔

”آپ یہاں سیل تو ہو گئی ہیں تاں کوئی پر اب لم تو نہیں؟“ وہ بڑے دوستانہ انداز میں مخاطب تھا۔ ”جی کوئی پر اب لم نہیں۔“

”آپ یہاں ایڈیشن لے لیں اس طرح آپ کی اسٹریز بھی کمپلیٹ ہو جائے گی اور آپ مصروف بھی رہیں گی۔“ اس نے مشورہ دیا تو انابیہ نے اثبات میں سر ہلا کیا۔

گاڑی ایک خوب صورت اور شاندار عمارت کی پارکنگ میں رک گئی تھی۔ وہ کاشان کی معیت میں اندر ورنی حصے کی جانب بڑھنے لگی۔ اندر ایک بائی جیکٹری کی پارٹی چل رہی تھی۔ جس میں لندن کے پاکستانی خواہ میرے بھی اپنی سرکار کے ساتھ موجود تھے۔ اکثریت پاکستانیوں کی ہی، کاشان اپنے حلقوں کے لوگوں سے اسے ملاونے لگا۔ یہاں اس کے چند اسپاہرے بھی موجود تھے۔ جن میں لیمنارضا بھی شامل تھی۔ وہ انابیہ کو لیمنارضا کے ساتھ چھوڑ کر

سہیل احمد کے ساتھ عمارت کے اندر ورنی حصے میں جانب چلا گیا۔ یہ پارٹی سہیل احمد کی جانب سے دی گئی تھی۔

عمارت کے وسیع و عریض ہال میں انتظام کیا گیا تھا۔ کاشان کے جانے کے بعد وہ لیمنارضا سے باشیں کرنے لگی۔ لیمنا ایک خوش مزاج لڑکی تھی۔ وہ یا نئی سال سے لندن میں ہمی۔ یہاں وہ اپنے بھائی کی فیملی کے ساتھ رہ رہی تھی۔

”او..... تم یہاں؟“ مانوس سی پکار پر اس نے گرد موز کر دیکھا تو کچھ فاصلے پر کھڑے جہانزیب عباہی کو دیکھ کر وہ الہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی۔ عجب نہیں تھا کہ وہ اس کے گلے ہی لگ جاتی۔ پرولیس میں اپنے اتنے قریبی رشتے کو دیکھ کر اس پر جو سرشاری طاری ہوئی تھی وہ بیان سے باہر تھی۔ جہانزیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی بلا اختیاری پر بند باندھا تھا۔

چہازیب کے سلیں فون پر کال آنے لگی۔ اس کے ایک مقامی دوست کا ایکسٹر نہ ہو گیا تھا۔ اسے فوری اسپتال پہنچنا تھا۔ وہ ایکسکووزر کے چلا گیا کچھ دیر میں کاشان پارٹی ہال میں واپس آ گیا پرانی کی واپسی رات گئے ہی بولی تھی۔

واپسی میں چند روز لگ جائیں گے۔” اتنا بیٹے نے کاشان کے الفاظ دہراتے جو سے جاتے ہوئے کہہ گیا تھا۔ ”تو تم اتنے بڑے گھر میں اکیلی رہو گی؟“ تما کے لجھے میں لکھا تھا۔

”اکیلی کہاں تما، یہاں کیروں اور دسرے ملازم ہیں وہ بھی فل نام رہتے ہیں۔“ اس نے بلکہ پچھے انداز میں تما کی سلی کرائی۔

”پھر بھی اسے چاہیے تھا کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاتا، اب تم ہمارے ساتھ چلو جہازیب کے گھر۔“ تما کی بات پر جہازیب نے پھاؤ بدلہ۔

”کاشان جب واپس آجائے گا تو تمہیں وہاں سے لے جائے گا۔“ تما نے اُل انداز اختیار کیا، بڑی مشکل سے اپنے انہیں ان کے ارادے سے باز رکھ پائی تھی۔

کاشان نے پوچھے بغیر وہ کیسے جاسکتی تھی۔ کاشان کو تو نہ ہی تما جان کی لندن آمد کے بارے میں معلوم ہوا تھا۔ نہ آپ کو۔ وہ چھوٹی سی بچی کی طرح بولی۔

”ارے.....رے..... تم اب تک بڑی نہیں ہوئیں۔ مجھے تو غلط بھی ہو گئی تھی۔“ تما نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔

تما، نواہی ایک دسرے کے قریب بیٹھے ایک دسرے میں گم ہو چکے تھے۔ جہازیب کچھ فاصلے پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس علی آنکھوں میں حزن و ملال کا موسم اتر آیا تھا آج

شدت سے اپنے خارے کا احساس جاگا تھا۔ اس کی بھی شہناز بیگم سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ سرد ہو جاتا تھا۔ شہناز بیگم اس کی نظر میں ایک بے حد مفاود سب سے چھا کروہ اس کے لیے خوشیاں خریدنا چاہتا تھا۔

گمراہنے لیے غموں کا سودا کر بیٹھا تھا۔

”تم کیا سوچنے لگ گئے جہازیب؟“ دادا کی پکار اسے حال میں کھینچ لای۔

”کچھ نہیں بس آپ دنوں کو دیکھ رہا تھا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تما جو اسے کڑی نظر دیں سے دیکھ رہے تھے پھر سے اتنا بیکی جانب متوجہ ہوئے اور اس سے کاشان کی بات پوچھنے لگے۔

”تما وہ تو آڈٹ اف ٹھی ہیں، کام کے سلسلے میں انہیں ایک دو روز میں لے جائے گا تما سے ملوانے۔

شہر کے راستوں سے اس کی کافی شناسائی ہو گئی تھی۔ وہ اکثر شام کو اکیلی ہی واک کرنے تک جاتی تھی۔ اس دن

شام ڈھلے جب وہ گھر لوٹی تو ایک سر پر پاڑاں کا منتظر تھا۔

سنگ رومن میں تما جان کے ساتھ جہازیب اس کے منتظر تھے۔ کیروں نے ان تواضع کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ درمیان میں کافی اور لوازماں سے بھی ٹرے موجود تھی پران دنوں نے کافی لینے پر اکتفا کیا تھا۔ تما اسے دیکھ کر اپنی سیٹ سے کھڑے ہو گئے وہ بھی برق کی کسی تیزی سے آگے بڑھ کر ان سے پٹھ گئی تھی۔

”تما جان کب آئے آپ؟ میں کتنا مس کرتی تھی آپ کو۔ وہ چھوٹی سی بچی کی طرح بولی۔

”ارے.....رے..... تم اب تک بڑی نہیں ہوئیں۔ مجھے تو غلط بھی ہو گئی تھی۔“ تما نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔

تما، نواہی ایک دسرے کے قریب بیٹھے ایک دسرے میں گم ہو چکے تھے۔ جہازیب کچھ فاصلے پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس علی آنکھوں میں حزن و ملال کا موسم اتر آیا تھا آج

شدت سے اپنے خارے کا احساس جاگا تھا۔ اس کی بھی شہناز بیگم سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ سرد آنکھوں نے اس لڑکی کو اپنانے کے خواب دیکھے تھے۔

”تم کیا سوچنے لگ گئے جہازیب؟“ دادا کی پکار اسے حال میں کھینچ لای۔

”کچھ نہیں بس آپ دنوں کو دیکھ رہا تھا۔“ اس نے سونے کے لیے لیٹھ، گئی تما سے اس کی روزانہ ہی فون پر بات ہو رہی تھی۔ کاشان کے لوٹتے ہی اس نے انہیں تما کی بات پوچھنے لگے۔

”تما وہ تو آڈٹ اف ٹھی ہیں، کام کے سلسلے میں انہیں ایک دو روز میں لے جائے گا تما سے ملوانے۔

آپ نے مہا سے ایسی کوئی بات کی تو میں اندر چھوڑ کر کہیں بھی بس جاؤں گا مگر پاکستان نہیں جاؤں گا۔ ”اس نے اپنی سرخ ڈروٹ والی آنکھوں سے دادا کو دیکھا۔

”پھر کب تک کووار اپنے کا ارادہ ہے؟ تمہاری یہ بے سکونی اور بے قراری اس کی شادی شدہ زندگی کے لیے سماں نہ کھڑے کر دے۔“ انہوں نے قدرے دھنے سے لجھ میں کہا مگر سامنے ان کا لاذ اپنا تھا۔

”نہیں بھولنا چاہتا میں اے۔ بس میری شادی کا کوئی تامنہ لے مجھے شادی کرنی ہی نہیں۔“ اس نے اکھڑ لجھ میں کہا اور اندر چلا گیا جبکہ رحمت علی کتنی ہی دیر وہاں کھڑے اس کے سکون اور خوشی کے لیے دعا کرتے رہے۔

آج پھر صبح صبح کاشان کے کمرے سے گھنٹروں کے چھٹھنے کی آواز ابھر رہی تھی۔ انا بیبی جو کچھ درپہلے تک بہت پر سکون تھی۔ اب کھرا یہست کا شکار ہو گئی۔ شخص کے ساتھ وہ زندگی گزار رہی تھی۔ نہ تو وہ اس کی بیکی تھا۔ نہ تو وہ پورا مرد تھا۔ نہ تو وہ شوہر تھا۔ بن ہی نہیں سکتا تھا۔ نہ تو وہ پورا مدرس تھا۔ اس کی وجہ سے ایک لڑکی ادھورے پن کا شکار تھی۔ اس نے نانا کو رات کو ہی فون کر کے اپنے آنے کا بتایا تھا۔ کاشان اسے نانا سے ملوانے لے جانے والا تھا مگر اب اس وقت اس کا دل نہیں جاہ رہا تھا کہ وہ کسی کا بھی سامنا کرے۔ ایک گھنٹہ بعد جس کاشان بدلتے ہوئے چلیے گئے بیدروم سے لکھا اور اسے حلنے کے لیے کہا تو وہ منع نہ کر پائی۔ اب وہ دونوں گاڑی میں سوار جہانزیب کے قلیٹ کی جانب گامزن تھے۔ کاشان نے اس کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی سمجھی گی لوگوں کو لیا تھا۔ مگر خاموش رہا۔

نانا کو کاشان سے مل کر بہت اچھا لگا۔ وہ نانا سے بہت عزت سے ملا کچھ دریا نانا سے ملنے کے بعد وہ آفس چلا گیا تھا۔

”بہت اچھا بچہ ہے کاشان۔ نانا نے کہا۔

”جی بہت اچھا ہے۔“ اس کا دل کر لایا۔ نانا کافی دیر تک اس سے باشیں کرتے رہے اور اسے کریڈ کر

اس سردرات میں وہ اس بلند بلڈنگ کی ساتوں منزل کے قلیٹ کی بالکوئی میں کھڑا تھا۔ کسی غیر مرمنی نقطے کو سوچتے ہوئے وہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ ہلاکا ساویٹر اس نے شرست پر چین رکھا تھا جو ٹھنڈ روکنے کے لیے ناکافی تھا۔ اس کا جسم اس ٹھنڈ کے قطبی بے نیاز تھا جو اس کے وجود سے نکلا کر گزر رہی تھی کیونکہ اس کے دل کی زمین پر بھرنا میں کمیشی جل رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے وجود کے بھرے ٹکڑوں کو سیکھا کیا تھا۔ خود کو زندگی کے میدان میں لڑنے کے لیے کھڑا کیا تھا۔ دل کو بہلا لایا یہ کہہ کر کہ اب وہ دن جان سی اور کی ہو جکی ہے۔ اب جبکہ رخموں پر کھڑا ہجھنے لگا تھا۔ وہ اسے سہیل کی پارٹی میں نکلا گئی۔ ایک پل کو تو وہ بھول ہی گیا کہ ہم مرائی ہو گئی ہے۔

اگلے ہی پل دل پھر سے پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ جب دادا اچا یک بنا تائے پاکستان سے آگئے تو اسے لگا کہ اس کا ضبط چھک جائے گا۔ اس نے دادا کے کندھے پر سر کھ کر سب کچھ کہہ دیا۔ دادا اس کی دل کی حکایت سن کر ششدرو رہ گئے۔ ان کی خود بھی تو ہی تمبا تھی کہ انا بیبی کے جیائز ب کی لہن بنے، نجانے کس کا قصور تھا یا کوئی سارش تھی۔ وہ فصلہ نہ کر پائے۔ البتہ اسے سمجھانے کی سی ضرور کی۔ اس وقت بھی اسے بالکوئی میں کھڑا دیکھ کر وہ بھی ادھر ہی آگئے تھے۔

”اس وقت یہاں کیوں کھڑے ہو، اتنی ٹھنڈ میں برخوار بیمار ہونے کا ارادہ کیا۔“ وہ قصد اہلے چکلے لجھ میں پوچھنے لگی۔

”دادا، نہ نہیں آرہی تھی۔“ اس نے سرد آہ بھری تو انہوں نے بغورا سے دیکھا۔

”تمہاری ماں سے کہتا ہوں کہ تمہارے خیروں میں بیڑیاں ڈالے جلد کوئی لڑکی ڈھونڈے تمہارے لیے چھیں طہاہنے کی تیاری کرے۔“ انہوں نے فرصت سے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

”دادا، آپ ایسا سچھنیں کریں گے۔ میں اندر چھوڑ کر پاکستان جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن اگر

پوچھتے رہے کہ وہ کاشان کے ساتھ خوش تو ہے اور انا بیہ
آپسیں مطمئن کرتی رہی۔

اسے معلوم نہیں تھا کہ کاشان اسے کس طرح واپس گھر لایا
تھا۔ راستے میں اس نے انا بیہ کوڈاکٹر سے چیک اپ بھی
کر لیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اس کی طبیعت دیکھ کر

اکثر اس حصہ ملک کے ہمدردی ہوئی تھی تاہم اس
کی مل نے اس لڑکی کو ہمراہ بنا لیا تھا۔ بھی بھی تو اس کے دل
میں بیٹھا میٹھا درج جاتا تھا۔ بالکل انجمان اور جو اس لڑکی کے
نام سے منسوب تھا۔ اس کی اس درد سے شناسائی نہیں تھی
سواء معلوم نہیں تھا کہ یہ درد کیا ہے؟ صبح اس کی آنکھ کھلی
تو کاشان اپنے کربے میں دیکھ کر وہ بھجک گئی۔

”آپ یعنی طبیعت ہے؟“ کاشان نے پوچھا تو اسے
گزر کی لذات پوری جزئیات کے ساتھ یاد آئی اور اس
سکرپتوں کی نسبت تن گئے۔

”ٹھیک ہوں میں۔“ اس کا الجھہ ناچاہے ہوئے بھی
آج پھر وہ کاشان کے ساتھ ایک گیٹ ٹو گیر میں مدعو
مرد ہو گیا۔

”اچاک کیا ہو گیا تھا آپ کو انا بیہ۔“ وہ متکفر تھا۔
”آپ چیز یہاں سے جائیں میں اس وقت کوئی
بات نہیں کرنا چاہتی۔“ اس نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ
چھالیا۔ کاشان چند ثانیے لے دیکھا رہا اور پھر کمرے
سے ڈکل گیا۔ اس کے جانے کے پچھے دیر بعد کیرولین آئی
اس کا ناشتر لے کر وہ بھی بہت پریشان لگ رہی گئی۔

”میم آپ ناشتر کر کے میڈیکن لے لجئے۔“ وہ
موہب کھڑی گئی۔

”میری لین تم جاؤ مجھے ضرورت ہوئی تو تمہیں بلا لوں
گی۔“ اس نے ان سفی کرتے ہوئے کہا تو وہ تھکے ہوئے
قدموں سے باہر چل گئی۔ اسے روتا آرہا تھا دل چاہ رہا تھا
کہ کہیں بھاگ جائے، کسی کونے میں جاچھے جہاں کوئی
تفصیل نہ کر سکے۔ اپے لفظوں سے اس کی زندگی کو تماشا
نہ بنتا۔ اگر کاشان میں ادھورا پین تھا تو اس میں اس کا کیا
قصہ درخواست۔ اسے سزا کیوں مل رہی تھی۔ وہ تو خود مظلوم تھی،
مجبوں تھی، خوف زدہ تھی کہ اگر نانا اور ماما کو کاشان کی حقیقت

پوچھتے رہے کہ وہ کاشان کے ساتھ خوش تو ہے اور انا بیہ
آپسیں مطمئن کرتی رہی۔

”جیزی بھائی کہاں ہیں؟“ اس نے نانا کا دھیان
کاشان کی طرف سے ہٹانے کے لیے اصر احمد دیکھتے
ہوئے پوچھا۔

”وہ تو چیخ ہی چلا گیا تھا شہر سے باہر کام تھا۔“
”آپ کے لیے چائے بناؤ۔“ اس نے نانا سے کہا
اور اٹھ کر چکن میں آئی۔ جیزی بھائی نے گھر اور چکن کو
بہت صاف سحر اکھا ہوا تھا۔ انا بیہ نے ستائش بھری
نظروں سے اور گرد رکھا۔ لغ اس نے اور نانا نے مل کر تیار
کیا اور خوب انجوائے بھی کیا۔ وینیزوکال پر ممابے بات
بھی ہوئی۔ دن بہت تیزی سے گزر گیا۔ نانا نے کاشان کو
ڈنر پر انوائیں کیا تھا۔ اس لیے نانا نے قریبی اٹھیں
ریسٹورنٹ سے کھانا آرڈر کر دیا تھا۔ ڈنر کے بعد وہ اور
کاشان واپس آگئے۔ جہاں زیب اب تک نہیں لوٹا تھا۔

آج پھر وہ کاشان کے ساتھ ایک گیٹ ٹو گیر میں مدعو
تھی۔ کاشان اس کے ساتھ ہی تھا۔ پچھے دیر پہلے ہی اس
نے اپنے دوستوں کے گروپ کو جوائن کیا تھا۔ انا بیہ پچھے
تحکم محسوس کر رہی تھی سو ایک جانب بیٹھ گئی تھی۔ اچاک
اس کی ساعت سے دلبی دلبی سرگوشیاں لکرانے لگیں۔
جنہیں سن کر اس مردوں میں بھی پسیدیا آنے لگا۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ اس کی دولت دیکھ کر انا بیہ کے گھر
والوں نے اسے اس چکے کے ساتھ بیاہا ہے۔“ تب ہی
دوسری عورت کی آواناتی۔

”ایکنگ تو ایے کرتی ہے جیسے پر نیک تھج ہو۔“
دونوں عورتوں سے انا بیہ ناواقف تھی۔ پر وہ عورتیں اس کی
زندگی کے کڑوے تھے سے واقف تھیں۔

”تو کیا کاشان کے سب دوست، اس کے ملنے والے
کاشان کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ سب
بیچھے سے بھی مجھ پر ہنتے ہوں گے۔“ اس کی آنکھیں
دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔ ہاتھوں پیروں سے جیسے جان
نکل رہی تھی۔ نجاں نکتی ہی دیر وہ اس پوزیشن میں بیٹھی

”خوبی سر..... آپ ایسا نہیں کر سکتے۔“ کیرولین پریشان ہوئی۔

”وہ آپ کو اچھی لگتی ہیں، آپ ان کے وجود کے عادی ہو گئے ہیں۔ اس گھر میں ان کی موجودگی آپ کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالتی ہے یہہ میں جانتی ہوں۔“ وہ اعتماد کے ساتھ گوپا ہوئی مگر کاشان نے استہرا اسے کیرولین سے نظر چڑائی۔ وہ صرف ایک خادمہ ہی نہیں تھی۔ کاشان کے بچپن کی سماجی تھی جو کاشان کے اندر کے موسموں سے بہ خوبی واقف تھی۔

”جاوہ دیکھ کر آؤ، اس نے ناشتہ کیا یا نہیں؟“ اس نے نکل سے کہنی دیتا۔ کیرولین اسے ناسف سے دیکھتی ہوئی ڈاپٹنگ بیال سے نکل گئی۔

انتابیہ شام کو ڈرائیور کے ساتھ جہانزیب کے اپارٹمنٹ آگئی۔ اس نے کاشان کو بتا دیا تھا کہ وہ نانا سے ملا چاہتی ہے۔ کاشان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈرائیور کو کال گھر کے پالا لیا تھا کہ وہ انتابیہ کو ڈریپ کروے اور خود کاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔ نانا سے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ جہانزیب انہی آفس سے اونٹا نہیں تھا۔

”تم نہیں نہیں لگ رہیں، طبیعت خراب ہے کیا؟“ نانا نے اس کی بھی بھی صورت دیکھ کر اخذ کیا تو اسے خود کو سنبھالا۔

”کل پریچن ہو گیا تھا۔ آج بکھر ہے طبیعت۔“ اس نے بتایا، نانا نے فتح آرڈر کر دیا تھا۔ وہاں نانا، نواسی نے ساتھ بیٹھ کر لغت کیا۔ شام جہانزیب اونٹا تو اپنے گھر میں اسے دیکھ کر چونکا اور خود کو سنبھالتے ہوئے نانا کے ہمراہ میں نشست سنبھال لی۔

”آپ کے لیے کافی بناوں جیزی بھائی۔“ نانا نے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔

”خوبیں مجھے عادت ہو گئی ہے اپنے کام خود کرنے کی نہیں، انہیں گا۔ یوں بھی تم یہاں مہمان ہو۔“ اس نے شناسگی سے کہا۔ نتابیہ کو لگا کے وہ پہلو تھی کہ رہا ہے۔ کم خدا بعد مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو وہ اور نانا نماز کے لیے آنے کا راستہ مل گیا تھا۔

معلوم ہوئی تو کیا وہ سہ پائیں گے اس عمر میں یہ دکھنیں نانا کی جان نسلے لے اور ممہا، ان کی ماہی کا کیا عالم ہو گا۔ آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ چکے تھے اس کا چہرہ تر ہو چکا تھا۔

”سرمیر اخیال ہے کہ آپ کو ان سے پوچھنا چاہیے کہ کل رات پارٹی میں ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اس قدر رذہ شرب ہو گئیں۔“ اس نے کاشان کو دیکھا جو دیر سے صیرے کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ ناشتے سے وہ انکار کر چکا تھا۔ کیرولین اس کے سامنے مدد کھڑی تھی۔

”کیرولین میں ان جان تو نہیں ہوں کہ کل رات وہاں کیا ہوا ہو گا اور جانتی تو تم بھی ہو۔ کل رات وہاں میرا غائبانہ تماشا بینا گیا ہو گا جو اس لئے من لیا ہو گا اور وہ وہ بھی ہے جس میں پہاڑے کے کیا ہے کہ جس زدہ اچھی نہیں لگتی۔ میں خود اس ہو جاتا ہوں اسے ایسی کیفیت میں دیکھ کر میں چاہتا ہوں وہ ہمیشہ نسیتی مسکراتی رہے۔ مہماں نے اس کے ساتھ اسے ہو جانے کیا۔ جب شادی میری ضرورت ہی نہیں تھی تو میری ضرورت تھی ایک معصومہ لڑکی کو مجھ سے باندھنے کی۔ صرف اپنی اتنا کابر ہم بلند کرنے کے لیے نہیں ہے ایک لڑکی کی پوری زندگی داؤ پر لگا دی۔ کوئی یہ نہ کہے کہ کاشان نے شادی کیوں نہیں کی۔ خاندان میں چمکوئیاں ہوں گی۔ کاشان نارمل نہیں ہے۔ ایک ادھوار مرد ہے میرا کیا قصور تھا۔ نہیں نے مجھے اپنی متاتے سے محروم رکھا۔ سات سال کی عمر میں پڑھائی کا بہانہ نہ کر سہاں بیچ دیا۔ خود سے وہ رکھا جسمانی گئی کے ساتھ میں ذہنی مریض بھی بن جاتا جو تمہارے جیسی ہمدردی کی سے میری دوستی نہ ہوتی۔ اب انتابیہ کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اس کی بے رنگ زندگی سے خوف آتا ہے۔ ایک سال پہلے وہ لقنتی نسیتی مسکراتی ہوا کرتی تھی۔ زندگی سے بھر پور مکراب وہ بولنے سے پہلے بھی سوچتی ہے۔ یہی حال رہا تو کچھ بعد نہیں کہ وہ نفیاںی مریضہ بن جائے۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اسے آزاد کروں گا۔“ کاشان کے اندر کی حُنّ کافان جاہر آنے کا راستہ مل گیا تھا۔

”جہازیب تم جاؤ کچھ دیر آرام کرلو تھکے ہوئے ہو گے۔“ نانا نے اس کا چہرہ دیکھ کر اسے منظر سے ہٹانا چاہا۔ وہ دل میں شکر ادا کرتا ہوا انھوں نے۔

”نانا آپ کو نہیں لگتا کہ جیزی بھائی بہت بدلتے ہیں۔“ اس سے زیادہ سمجھیدہ رہنے لگے ہیں۔ آپ ان کی شانداری روا دیں۔“ وہ جہازیب کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ بس وہ راضی ہو جائے۔“
نانا دھیمے لبھے میں بولے۔

”آپ مایی سے کہیں کہ وہ سمجھائیں اپنے بیٹے کو، مایی کوبات منوانا آتی ہے۔“

”ہوں۔“ نانا سوچ میں گم ہو گئے تھے۔
”ناٹھ میں ڈنر تیار کر رہی ہوں آپ کیا کھائیں گے۔“ اسے نانا بہت پریشان لگدی ہے تھے تو ذہن ہٹانے کو پوچھا۔ جہازیب اپنے کمرے سے باہر نہیں آیا تھی کہ اس نے کھانا تیار کر لیا اور میز پر لگا بھی دیا تھا پھر اسے بلانے کی تب وہ روم سے باہر آیا۔ بلکی پھلکی باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا۔ برلن ڈھوکر اس نے پکن سمیٹا اور جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ نانا کے اشارے پر جہازیب اپنے کمرے سے گاڑی کی چابی لینے چلا گیا۔ جہازیب اسے چھوڑ کر دروازے سے ہی واپس جا رہا تھا مگر وہ بعد اصرار لے کے اندر لے لئی اور اسے ڈرائیکٹ روم میں بٹھایا اور خود پہن۔ پہن جہان کا کیرولین صفائی کر رہی تھی۔

”کیرولین، کافی بناؤ جیزی بھائی آئے ہیں۔“
”آپ کے کمزون میم۔“ اس نے سر ہلا کر کیرولین کے سوال کا جواب دیا۔

”کاشان کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔
”میم وہ اسٹڈی میں ہیں۔“ اس نے کافی کا جار کھولتے ہوئے بتایا تو وہ سیرھیاں طے کرتی ہوئی اور آگئی۔ اسٹڈی روم پہلی منزل پر تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر اندر جہان کا۔ کاشان اسٹڈی جیزی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے کتاب کھلی رکھی تھی مگر اس کا دماغ غیر حاضر تھا۔

کھڑے ہو گئے نماز کے بعد دعائیں اپنے لیے ہوت اور سکون مانگا جبکہ نانا نے اپنے پوتے کے لیے خوشیاں مانگی تھیں۔ ان سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ لاوٹھ میں آئی تو دیکھا کہ جہازیب کافی، علش اور براوڈ نیز سمیت ان کا منتظر تھا۔

”واو..... آپ تو بہت سکھر ہیں۔“ اس نے کہا تو جہازیب کے لبوں پر چھکی سی مسکان آٹھبری۔

”تم کافی لو انو۔“ اس نے موضوع بدلاتا نہیں مگ اٹھایا۔ نانا منح کر چکے تھے سو وہ دونوں علش اور براوڈ نیز سے انصاف کرنے لگے۔ نانا قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔

”جیزی بھائی اب آپ بھی شادی کر لیں اور ہاں وہ لڑکی کہاں ہوتی ہے جس سے آپ شادی کرنا چاہتے تھے۔“ اتنا بیہ کو یاد آیا کہ وہ کسی لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ انا کی بات پر علش کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ رک گیا۔ منہ میں موجود براوڈی کا ٹکرانگنے میں بھی اسے وقت اٹھائی پڑی۔

”کیا ہوا، آپ خاموش ہیں۔ مایی آپ کی پسند کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں کیا؟“ جہازیب خاموش رہا تو اس نے مزید کہا۔ مایی کے مزاج سے وہ بخوبی واقف تھی۔

”اس کی شادی ہو گئی ہے۔“ جہازیب کا چہرہ ایک دم تاریک ہوا تھا۔

”آپ نے اسے بتا نہیں تھا کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں۔“ وہ ایک دم گھی ہوئی۔

”موقع ہی نہیں ملا اور وہ پرانی ہو گئی۔“ جہازیب کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔

”تم رات ادھر ہی رہو گی تاں؟“ رحمت علی کرے سے باہر آگئے تھے۔ جہازیب کو مشکل میں گرفتار دیکھ کر درمیان میں آئے۔

”نہیں نانا..... میں ڈنر کے بعد واپس چلی جاؤں گی۔“ میں نے کاشان سے کہا ہے کہ جیزی بھائی مجھے ڈر اپ کر دیں گے۔ اس نے اپنا پوکرام بتایا۔

”کاشان.....“ اس نے سپاٹ لبجے میں پکارا تو کہہ دیا ہے۔ یا ایک کھلی حقیقت ہے۔ ہمارے درمیان جو رشتہ ہے اس کی بنیاد ہی دھوکہ اور فریب ہے، میں نے گزشتہ روز ہی طے کر لیا تھا کہ ہمیں اب الگ ہو جانا چاہیے۔ ہو ملتا ہے میں اتنی جلدی اپنی سوچ پر عمل نہ کر پاتا کہ نجاتے کب میرے دل میں تمہاری محبت نے جنم لے لیا۔ سوچتا ہوں کہ دل کی کیا خطا، دل تو میرا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تمہارا ہے آج جہانزیب کی زبانی اتنی سچائی سے نہ کر مزید تھیں یا خود کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں تھیں طلاق دیتا ہوں۔ انا بیہ کے اپنے ہوش و حواس میں تھیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہارے لاکن نہیں میں تھیں طلاق دیتا ہوں۔ ”انا بیہ کو اس کی آواز گھرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی اور پھر اس ذہن اندر ہیروں میں ڈوبتا جلا گیا تھا۔

رحمت کدے میں غم کی فضا طاری ہی۔ شاملہ سب سے منیر تھیا پئے پھر رہی تھیں۔ دل ہی دل میں وہ یہ حد قدم رکھا۔ کاشان ہال کے وسط میں کھڑا تھا، اس کے شرمسار تھیں۔ گھر میں کسی نے بھی ان پر نگلی نہیں اٹھائی تھی چہرے کے تاثرات ناقابلِ یقین تھے جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر جہانزیب کھڑا اس پر چلا رہا تھا۔

”اہلی خیر۔“ اس نے دل میں کہا اور سنگ روم میں کہہ جہانزیب کے علاوہ کسی کی تنکیف نے ان کے دل کو چھوٹا تھا پھر انہوں نے ہمت جمع کی اور افراح اور انا بیہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”ارے بھائی، یہ کیا کر رہی ہیں۔“ افراح بوكھلا گئی تھیں۔

”قصور میرا ہی ہے افراح اگر میں اچھی طرح اس کی معلومات کروں، چنان بین کرتی تو ہمیں پہلے ہی سب پتا چل جاتا۔“

”یہ سب میرے نصیب میں لکھا تھا۔“ انا بیہ نے سپاٹ لبجے میں کہا۔

”یہ تمہاری اعلیٰ طرفی ہے انا و گرنہ میں نے شہنشاہ بھائی پر بھروسہ کر کے بڑا گناہ کیا۔ میں نے تمہاری خوشیاں چھینی ہیں، اب میں تمہاری خوشیاں لوٹاؤں گی۔“ شاملہ نے کہا اور اتنا کہہ کر کشاں جیسے ہوش میں آیا۔

”میں انا بیہ مت روکیں جہانزیب کو وہ تھیک ہی تو ہمچکے آتے افراح نے اسے گلے سے لگایا۔

”کاشان.....“ اس نے سپاٹ لبجے میں پکارا تو کاشان چونکا۔

”جہانزیب بھائی مجھے چھوڑنے آئے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائیکر روم میں بھایا ہے۔“

”اوے..... میں آتا ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا، انا بیہ کو دیکھ کر اس کا دل کھل اٹھا تھا۔

وہ تو یہی سمجھتا تھا کہ انا بیہ اب واپس نہیں آئے گی، وہ الگیوں سے بال سوارتا ہوا اسٹڈی سے نکل آیا جبکہ انا بیہ اپنے روم میں آ کر جیکٹ اتار کر رکھنے لگی۔ تب ہی اسے شور سامحسوس ہوا تو وہ اس کارف لیتی ہوئی کمرے سے نکل آئی۔ سنگ روم سے جہانزیب کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ برق رفتاری سے سنگ روم کی جانب بڑھی۔

”اہلی خیر۔“ اس نے دل میں کہا اور سنگ روم میں قدم رکھا۔ کاشان ہال کے وسط میں کھڑا تھا، اس کے پر نگلی نہیں اٹھائی تھی پھر بھی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ انا بیہ کی خاموشی ان کا دل چیرے جاتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ جہانزیب کھڑا اس پر چلا رہا تھا۔

”تو یہ تم ہو کاشان جبیں۔“ تم اس کے قابل ہی کب تھے۔ ایک محصول لڑکی کی زندگی برپا دکرتے ہوئے تمہارا دل نہیں کانپا، ذرا افسوس نہیں ہوا۔ میں جہانزیب عباسی تھیں اپنا دوست کہتا رہا۔ مجھے اسی وقت سمجھ جانا چاہیے تھا جب اتنا نے مجھے بتایا کہ تم سہیل کے دوست ہو پر میں ایسی بات کیسے سوچ سکتا تھا کہ میری کزن کی شادی تم سے ہوئی ہو گئی۔ تم جو.....“ جہانزیب نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر اپنا سر تھام لیا۔

”تجیزی بھائی پلیز..... آپ کو پہ سب نہیں کہنا چاہیے۔ مجھے کاشان سے کوئی شکایت نہیں۔“ نجاتے گیوں است کاشان کا دکھانے دل پر محسوس ہوا۔ اسی کا چہرہ غم والم کی تصویر ہنا ہوا تھا۔ انا بیہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آنسو قطرہ قطرہ کر کے اس کا چہرہ بھگور ہے تھے۔ اس کی آواز کر کشاں جیسے ہوش میں آیا۔

”میں انا بیہ مت روکیں جہانزیب کو وہ تھیک ہی تو

"مما..... مجھے مانی سے کوئی ایشیوں، میں یہ بھی نہیں کہہ رہی کہ میں شادی کروں گی ہی نہیں۔ میں ایسے خص سے شادی کروں گی جو اپنے دل کی تمام سچائیوں سمیت مجھے پہنائے۔" وہ دھیمے لبجھ میں بولی۔

"تو بیٹا جہاں زیب سے کیا مسئلہ ہے تمہیں؟"
"وہ نسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں،" بے پناہ شدتوں سے اسے چاہتے ہیں۔ اس لڑکی کی تینیں اور شادی ہو گئی ہے اور میں اپنے دل میں گنجائش نہیں بنا سکتی۔ پیز مجھے مجبور مت کریں۔" وہ روہانی ہوئی تو افراح کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

زونیرہ نے بیٹھ کر جنم دیا تھا۔ رحمت کدے میں کافی عرصہ بعد خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ زونی کے سرال میں بھی خوب خوشی منانی گئی۔ دس روز کے عرشان کو لے کر جب زونی "رحمت کدے" آئی تو گویا صبح دشام ایک ہو گئے۔

"میرا خیال ہے بہو، مسلسل افراح سے بات کرو۔ وہ ہر فرد نجے کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھا۔ عرصے بعد اتنا کی رضا مندی لے لے اگر ان راضی ہے تو ہی میں اتنا یہ بھی تسلیک رکھائی تھی۔ اسے خوش دیکھ کر سب نے سکھ کا

سالسرا لیا تھا۔ ایک بتا سر دلن تھا جب زونی نے بتایا کہ اس کے لیے ایک رشتہ آیا ہے لڑکے نے اسے کہیں دیکھ رکھا تھا اور اب رشتے کے لیے بھیجا ہے اپنی فیملی کو۔ وہ حیران ہوئی کہ ایسا شخص کون ہے؟ ایک دن لڑکے کی والدہ اور بہن سے بھی اس کی سرسری کی ملاقات ہوئی تھی۔ چند

روز بعد ممانے اس سے رائے مانگی اور موبائل میں لڑکے کی تصویر رکھانا تھا ہی تو اس نے تصویر دیکھنے سے منع کر دیا اور آپ کی مرضی کہہ دیا۔ افراح کے ہاں کرتے ہی دوноں جانب شادی کی تیاریاں ہوئے گئی تھیں۔

"انا..... آج تمہاری ساس آئیں گی تھیں جیلوی اور براہنڈ ڈریس پسند کرنے لے جائیں گی۔" افراح نے کاج کے لیے نکلتے ہوئے اسے تاکید کی۔

"مما..... میرا جانا ضروری ہے کیا؟" اس نے بدولی سے پوچھا۔

"بہت ضروری ہے۔" افراح اپنا پوس سنبھالتی ہوئی پورچ کی جانب بڑھیں۔ شام کو نبیلہ آٹی اور علیہ اسے

"ابا جان آپ نے تو دل کو روگ ہی لگا لیا ہے۔ کمرے سے باہر چل کر سب کے ساتھ بیٹھیں۔" شاملہ نے رحمت علی سے مخاطب ہوتے ہوئے چائے کا مگان کل آگے رکھا اور کھڑکیوں کے پردے سمنے لیتیں۔

"بہو..... اب اس دل میں طاقت نہیں پہنچی۔ افراح کی دیران زندگی کو دیکھ کر سوچا تھا کہ اس کی بیٹھیوں کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا پر کچھ نہیں کر سکا۔ ہاتھ ملا رہ گیا میں بوڑھا اور میری بیٹی انابر باد ہو گئی۔ کیا کیا سوچا تھا اس کے لیے کے اسے ہمیشہ اپنے گھر میں رکھوں گا پر میری بیٹی دیکھوں کچھ نہیں کر سکا۔" رحمت علی کی بوڑھی آٹھیں چھلک پڑیں اور شام کلدان کی بات سن کر چونکیں۔

"ابا جان اگر ایسا ہے تو اب بھی آپ کی سرخواہش پوری ہو سکتی ہے۔ آپ فون کریں جہاں زیب کو بتا میں اسے وہ انکار نہیں کرے گا آخر تک یہ لندن میں رہے گا۔"

"میرا خیال ہے بہو، مسلسل افراح سے بات کرو۔ وہ شاملہ کی بات سن کر رحمت علی کو لگا جیسے ان کے دل سے آدھا بوجھ سرک گیا۔ انہیں شاملہ پر کسی قسم کا دباو نہیں ڈالنا تھا وہ بخوبی انابیہ کو بہو بتانے کے لیے راضی ہو گئی تھیں مگر انہیں انابیہ کی طرف سے خدا شر تھا کہ وہ انکار کر دے گی۔

انابیہ کے ساتھ ہونے والے حداثے اور اس کے نوئے بھرے وجود نے جہاں زیب کو بہت دکھی کر دیا تھا۔ اس نے نانا اور نواسی کو پاکستان جانے والی فلاٹ میں بھا دیا تھا اور خود اب تک لندن میں تھا۔ دادا کے اصرار پر وہ یہی غذر بتاتا کہ میں انابیہ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ پانچ ماہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود انابیہ خود کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ شاملہ بھابی اور ابا جان کے اصرار پر افراح اس سے بات کرنے آئیں تاکہ اس کی رضا مندی لے سکیں پر اس نے جہاں زیب کا نام سن کر انکار کر دیا۔

"لیکن کیوں بیٹا؟ بھابی نے بہت خلوص کے ساتھ بات کی ہے۔" افراح نے اسے سمجھانے کی سعی کی۔

شانگ کے لیے لینا گئے چاروں اچار سے ان کے ساتھ
جاندا۔ گاڑی ان کا ذرا سیور چلا رہا تھا۔ آنٹی بہت گریں
فلٹھیں جبکہ علیہ بہت خوش مزاج۔ مسلسل بول رہی
تھی اور اس کا موضوع اس کا بھائی حذیفہ تھی۔ شانگ کے
بعد آنٹی نے اسے ریشورٹ میں ڈر کروایا اور پھر گر
ڈر اپ کر دیا۔ آنٹی اور علیہ سے ملنے کے بعد اس کے من
میں پلنے والی بنامی بے چینی کا اختیام ہو گیا تھا۔

"مما کے روم سے میرے شوڈلتے تھے۔"

"اب کیا تم جو توں سے مجھے ماروں گی۔" شوخ اور
مصروف ہو گئی تھی۔ عثمان کو وہ سنبھال لیتی تھی۔ اس دن
زویرہ نے ڈھونی رکھی تھی پر رانیل اور عمر بھی صحیح ہی آگئے
تھے۔ گھر میں رونق لگ کر تھی جو یہ رونق لگانے کے لیے
نوال نے اپنی دوستوں کو ملا لایا تھا اور اس وقت اس کی
سہیلیاں ہال گمرے میں "کڑی لا جھما" پر لذیڈی ڈال رہی

تھیں۔ اگلے جمعہ کو اس کا حذیفہ سے نکاح تھا۔

"جہانزیب کب نے کا کہہ رہا ہے؟" نانا کی آواز اس
کی سماut سے نکرائی تو اس نے گود میں سکھیتے عثمان سے
نکھلے باولوں کو سمجھا، جہانزیب کا دل چاہا کے لوگ دے
نظر ہٹا کر نانا کی طرف دیکھا جو ماموں سے مناسب تھے۔
بال میٹنے سے روک دے۔ بمشکل اس نے خود کو کچھ کہنے
سے روکا۔ "نکاح سے دو دن پہلے آنے کا کہہ رہا ہے۔" نانا نے
جباب میں کیا کہادہ سن نہیں پائی۔

"مما..... اب یہ باولوں والیوں کرنے کی کیا ضرورت
ہے۔" اس نے سامنے بھرے مایوں کے پھیلاؤے کو
دیکھتے ہوئے چڑھپے پن سے کہا۔

"بچوں کی خوشی ہے یہ سب اور پھر تم خوش نہیں ہو
کیا؟" افراد نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجا مگر وہ
خاموش رہی تو افراد کام چھوڑ کر اس کے نزدیک بیٹھ
گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ جیزی بھائی..... میری کچھ
سمجھ میں نہیں آ رہا۔ صاف صاف بتائیں آپ کیا کہتا
چاہتے ہیں۔" وہ قدرے حراساں نظر آئی۔

"آج ہمارا نکاح ہے انو شادی کے بعد تمہیں میرے
ساتھ ہی رہنا ہے میں اسی لیے احتیاط کر رہا تھا۔"

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ مجھے تو بتایا گیا ہے کہ میرا نکاح
کیا۔ یہ سے ہو رہا ہے۔" افراد نے

"انا..... میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔"

"مما..... مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، بھی لگتا ہے کہ

سب ٹھیک ہے اور کبھی دل بے ہیں ہو جاتا ہے کہ کہیں پھر
سے دھوکا تو نہیں ہو گا میرے ساتھ۔" اس کے لمحے میں

جائے کیا تھا کہ افراد نے اس کا سراپے سینے سے لگایا۔

ہو رہی تھی۔

کاشان کا سلسلہ چلا تو دادا خاموش رہے مگر اب جبکہ سب خوش ہیں تو تم اپنی صد کی وجہ سے سب کی خوشیوں پر پانی پھیرنا چاہتی ہو۔ ”جہانزیب نے اسے سمجھا۔

”اور آپ..... آپ کا کیا؟ میں زبردستی کی پر مسلط نہیں ہونا چاہتی۔“ اس نے پھر کہا۔

”... کیا پیاری انو، اس دن کا میں نے برسوں انتظار کیا ہے۔ اس نے انو کے سرد ہاتھا پنے پر حدت ہاتھوں میں تھام لیے، انا بیہ نے کہاں یہ والہانہ انداز دیکھا تھا، اس کی تھیلیاں نہ ہوئے لگیں۔

”تم ہی وہ لڑکی ہو جو میری اولین چاہت ہے۔“ وہ مزید کہہ گیا۔

”بس..... بس جیزی بھائی بہت ہو گیا۔“ زونیرہ اور راتیل دروازے میں کھڑی تھیں۔

”کچھ ڈائیلگ شبِ زناں کے لیے بھی رہنے دیں۔ وہ جو آپ نے ہوٹل میں موہیت بک کر دیا ہے جہاں انا کو رخصت ہو کر جانا ہے، باقی کارروائیں ادھر جھاڑیئے گا۔“ دونوں اپنی اپنی بول رہی تھیں۔ جہانزیب اس کا ہاتھ چھوڑ کر بہتا ہوا بارپنل گیا۔

”وہ دونوں بھی نہیں رہی تھیں۔ کرہ رنگ برلنگی بھی کی روشنی سے بھر گیا تھا۔ جہانزیب کی بھی، زوںی کی بھی اور رالی کی بھی اس کے اردو گرد فصلِ کمرد ہی تھی اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ جس لڑکی سے جیزی بھائی مجھ سے کرتے ہیں وہ لڑکی وہ خود ہے کیا حسین اتفاق ہے۔

”یعنی کہ پھر سے آپ سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا۔“ اس کا الجھہ ہر قسم کے جذبات سے عاری ہوا۔

”وہ سب دھوکا تھا جذیفہ کی والدہ، بہن۔“

”خیس انو، تم غلط بھجو رہی ہو۔ وہ میرے دوست کی والدہ بہن ہیں۔ ایک سال پہلے ہیرے دوست کی ایک ایکسٹرنٹ میں ڈیچھ ہو گئی۔ اتنی والدہ اور بہن کا واحد فیل تھا وہ۔ اس کی ڈیچھ کے بعد میں نے اس کی ذمہ داری اٹھا لی۔ آٹی مجھے اپنابٹا کہتی ہیں اور علیہ بھائی تھی۔ کسی نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔“ وہ انا بیہ کے سامنے کھڑا تھا۔ انا بیہ کے سوراچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلا کیا۔

”آپ سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا ہے۔ مایی نے مجھ پر ترس کھایا کیونکہ ان کی وجہ سے میرے ساتھ رنجیزیدہ ہوئی۔ اب وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو مجھ پر قربان کرنے چلی ہیں۔“ اس کی آوازا ہستہ بھرا تی۔

”عمان نے بھی اچھی نہیں کیا وہ جانتی ہیں کہ مایی مجھے پسند نہیں کرتیں اور آپ..... آپ تو محبت کرتے ہیں ناس لڑکی سے بے فدائی کریں گے اس کے ساتھ..... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے کسی کی ہمدردی یا ترس کی ضرورت نہیں۔“

”لپیز انو..... مجھے کہنے دو جیسا تم سوچ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔“ جہانزیب کے تیز لمحے پر وہ چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”مہاول سے شرمندہ ہیں، تمہیں بہو بنانے کا فیصلہ انہوں نے اپنی خوشی سے کیا ہے۔ دادا کی یہ پرانی خواہش ٹھی پر وہ مہا پر دباؤ نہیں ڈالتا جاتے تھے اس لیے جب